تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ ۱۰ رمئی ۲۰۰۳ء

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (سورہ حشر: آیت ۷)

(جو تم کو رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ)

تم میں سے کوئی اس وقت تک صاحب ایمان نہ ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش اور رجحان اس تعلیم وھدایت کا تابع نہ ہوجائے جس کو میں لایا ہوں

(حدیث نبوی)

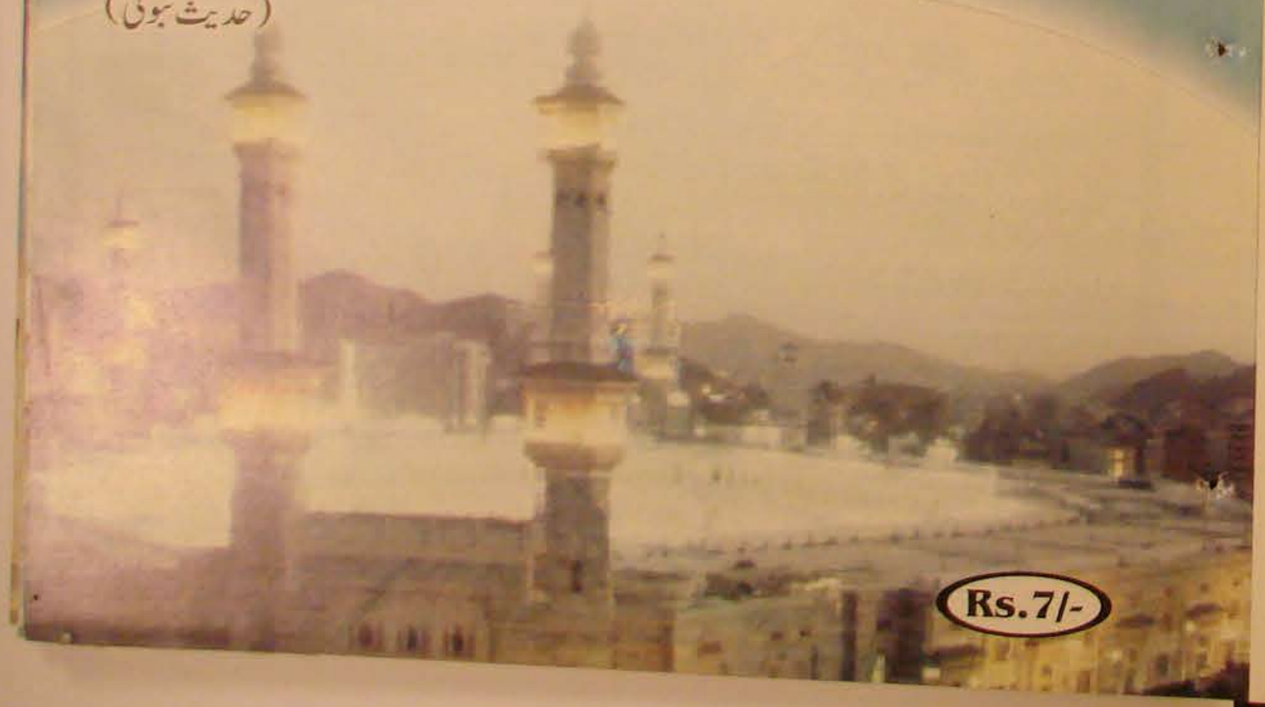

Rs.7/-

Regd. No- LW/NP/63

APR . 2003

Fortnightly

Tameer-e-Hayat

Nadwatul Ulama, Lucknow-226 007

R.N.I. No- UP.URD/2001/6071

Vol.2, Issue No: (3)

دنیائے علم وفن کا ایک شاہکار

طبی دنیا کی ایک اہم ضرورت

وصی میڈیکل ڈکشنری

(از۔ مولانا حکیم عزیز الرحمن اعظمی)

جس میں علم طب کے ہر شعبہ سے متعلق امکانی لغات ومصطلحات (ترجمہ وتشریح کے ساتھ) بڑی عرق ریزی سے جمع کردئے گئے ہیں۔

ملنے کے پتے: (۱) مکتبہ فردوس۔ مکارم نگر (بردلیا) ٹیگور مارگ لکھنؤ (۲) مکتبہ ندویہ پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ۔ ۷

رعایتی قیمت کے ساتھ دستیاب ہے۔

FIT & CO. Ph:226657

Since:1916

SPECIALIST IN

Suits & Sherwani

Near:- Sardar Sons,

At:Nazirabad, LUCKNOW.

Ph. Nos 2260433- 2242946

جدید ودلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے

ہمارے شوروم میں

آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس

Gahna Palace

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

طلباء اور تاجران کتب کے لئے خاص رعایت

ہر قسم کے قرآن مجید مترجم، غیر مترجم، حمائل، قاعدے پارے، پنج سورے، عربی، فارسی، اردو کی درسی غیر درسی نیز ہائی اسکول انٹر، جامعہ اردو علی گڑھ کی گائیڈ اور گیس پیپر وغیرہ بہترین اور مناسب قیمت میں ہم سے طلب کریں۔

نوٹ: آپ اپنی ضرورت کی کتب بذریعہ ڈاک بھی طلب کرسکتے ہیں۔

تاج

اسلامک جنتری دستیاب ہے

طلب کریں۔ قیمت ۵۱/-

تاج بکڈپو، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز

اعلی کوالٹی۔ جدید ترین فیشن کے

Shirt, Trousers Coat Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowrre, Jackets, Kurta, Vastecoat suit, Night suits& ties

شادی بیاہ، تیوہار اور پارٹی کے موقع کے لئے شاندار خزانہ

تشریف لائیے

MEN MARK®

Men's Exclusive

58,Halwasia Market.

Hazratganj, Lucknow

Ph.: Shop:216948 Resi.: 227443

زوامین

• فساد خون، مہاسے، پھنسی

• پھوڑے، پھنسی اور

• خارش کو ٹھیک کرتی ہے اور

• چہرے پر نکھار لاتی ہے۔

حسنی فارمیسی

چشمہ ساگر

ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے۔

AUTO REFRECTO METER AR-860

ڈوگرا لائٹ ☆☆ کوٹیڈ لینس ہائی انڈیکس ریڈی لینس

لینسی پاور اور دھوپ کے چشموں کا قابل اعتماد مرکز

ایک بار خدمت کا موقع دیں

آپٹیشن: اے۔ رحمن (علیگ)

عسکری کی مورتی کے نزدیک، معتمد گنج، اعظم گڑھ

Office Ph. No 2787250 (Ext.) 18, Guest House - 2323864 Fax No- 0522-2787310, 2788376

Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Nadwatul Ulama at Parekh Press Tagore Marge, Lucknow-U.P.

Editor : *Shamsul Haq Nadwi*

کاش! تمہاری زبانوں سے نہیں

تمہارے اعمال سے اسوۂ حسنہ کی مدح وثنا کے ترانے اٹھتے

تم اپنے گھروں کو مجلسوں سے آباد کرتے ہو مگر تمھیں اپنے دل کی اجڑی ہوئی بستی کی بھی کچھ خبر ہے، تم کافوری شمعوں کی قندیلیں روشن کرتے ہو، مگر اپنے دل کے اندھیاری کو دور کرنے کے لئے کوئی چراغ نہیں ڈھونڈتے، تم پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو مگر تمھارے اعمال حسنہ کا پھول مرجھا گیا، تم گلاب کے چھینٹوں سے اپنے رومال وآستین کو معطر کرنا چاہتے ہو مگر آہ! تمھاری غفلت کہ تمھاری عظمتِ اسلامی کی عطر بیزی سے دنیا کے مشام روح یکسر محروم ہیں، کاش! تمھاری مجلسیں تاریک ہوتیں، تمھارے اینٹ اور چونے کے مکانوں کو زیب وزینت کا ایک ذرہ نصیب نہ ہوتا، تمھاری آنکھیں رات رات بھر مجلس آرائیوں میں نہ جاگتیں، تمھاری زبانوں سے ماہ ربیع الاول کی ولادت کے لئے دنیا کچھ نہ سنتی، مگر تمھاری روح کی آبادی معمور ہوتی، تمھاری زبانوں سے نہیں مگر تمھارے اعمال کے اندر سے اسوۂ حسنۂ نبوی کی مدح وثنا کے لئے ترانے اٹھتے۔

فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى قلوب التى فى الصدور

(مولانا ابوالکلام آزادؒ)

اشاعت کے ۴۰ سال

پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

جلد نمبر ۴۰ — شمارہ نمبر ۱۳

۱۰ رمئی ۲۰۰۳ء مطابق ۷ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

زیر سرپرستی :

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء)

نگران خصوصی :

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال، ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مدیر عام — مولانا شمس الحق ندوی

رئیس التحریر — امین الدین شجاع الدین

معاون — ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

معاون — محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

- مولانا نذر الحفیظ ندوی
- مولانا عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

زرتعاون

سالانہ : -/۱۵۰ روپے ——— فی شمارہ -/۷ روپے

ایشیائی ممالک، یورپی، افریقی وامریکی ممالک ——— -/۳۵ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام بنوائیں

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

Post Box No.93,Nadwatul Ulama Lucknow-226007

فون (دفتر) 18 2787250(Ext) مہمان خانہ (0522)2740151

Website : www.nadwatululama.org

E-mail : nadwa@sancharnet.in

thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پارکیو آفسٹ پرنٹنگ پریس، بیگور مارگ لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

رئیس التحریر کی میز سے

- جرم ضعیفی کی سزا — امین شجاع — ۲

اداریہ

- عید میلاد النبی کا پیغام — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۳

مقالۂ استقبالیہ

- قرآن کا ادبی اعجاز — پروفیسر محسن عثمانی ندوی — ۴

چراغ راہ

- جزیرۃ العرب عالم انسانیت سے مخاطب ہے — حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ — ۵

ذکر رسولؐ

- سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۷

فکر ونظر

- نئی صورت حال کے مقابلہ کے لئے تاریخ اور ملت کی صلاحیت کا جائزہ لینا ضروری ہے — مولانا واضح رشید ندوی — ۱۳

اعجاز قرآن

- قرآن - ایک معجزہ — مولانا عبداللہ عباس ندوی — ۱۵

نعت رسولؐ

- تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو — حضرت قاری محمد طیبؒ — ۱۸

عالمی منظر نامہ

- قوموں کا کھیل - ایک امریکی ڈرامہ جو پچاس سال سے جاری ہے — مولانا نذر الحفیظ ندوی — ۱۹

صہیونیت

- آنے والا مسیح کون اور کس کے لئے؟ — مولانا سلمان الحسینی — ۲۲

احکام ومسائل

- فقہی سوال وجواب — مفتی ظفر عالم ندوی — ۳۳

رفتار کار

- رابطہ ادب اسلامی کا ۱۹ واں مذاکرۂ علمی بھوپال — مولانا اقبال احمد ندوی — ۲۵

آخری صفحہ

- ہمارا مزاج قوم پرستانہ نہیں، داعیانہ ہو — امین شجاع — ۳۲

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے، ازراہ کرم سالانہ زرتعاون ۱۵۰ روپے ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

رئیس التحریر کی میز سے

امین شجاع

جرم ضعیفی کی سزا

شکسپیئر کی ایک مشہور کامیڈی ہے Marchant of Venice ۔اس کا ایک کردار ہے Shylock ۔جو اس لحاظ سے ظلم کی علامت بن گیا ہے کہ وہ اپنے مقروض Antonio پر مقررہ مدت میں قرض ادا نہ کر پانے کے الزام میں مقدمہ دائر کر دیتا ہے، یہ مقدمہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب وغریب مقدمہ ہے اس لئے کہ Shylock اس میں اپنے مقروض کے جسم کے تازہ گوشت کا مطالبہ کرتا ہے۔عدالت میں Antonio کی پیروی Portia نامی ایک خاتون کرتی ہے، اور Antonio کے حق میں Shylock سے انسانی بنیادوں پر رحم کی اپیل کرتی ہے، شکسپیئر نے اس اپیل کو نظم کے قالب میں ڈھال دیا ہے، جس میں وہ رحم کی خوبی اور وصف کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مادّی طاقت وقوت کے ساتھ جب رحم اور انصاف کی آمیزش ہوتی ہے تو یہ مادّی طاقت وقوت ربانی صفت کا مظہر اور پرتو بن جاتی ہے۔

شکسپیئر کا زمانہ ۱۵۶۴ء تا ۱۶۱۶ء کا ہے، مگر صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی اس کا میڈی کا کردار "Shylock" زندہ ہے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ آج اُسے Antonio کے جسم کے تازہ گوشت کے مطالبہ کے لئے اس کے مقروض ہونے اور اس پر فرد جرم عائد کرنے کے لئے کسی جواز کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس پر ظلم کرنے کے لئے وہ کوئی نہ کوئی مفروضہ گڑھ لیتا اور بہانہ تلاش کر لیتا ہے۔

اسی طرح صدیوں کے بیت جانے کے بعد بھی Shylock جیسے ظالم کے ساتھ ساتھ مظلوم کی تائید وحمایت کرنے والی اور انسانی بنیادوں پر رحم کی اپیل کرنے والی خاتون Portia کا کردار آج بھی زندہ ہے، اور ظلم کے خلاف مظلوم کی حمایت میں اٹھائی جانے والی اس کے ضمیر کی آواز کی بازگشت آج بھی سنائی دے رہی ہے، اور اطمینان دلا رہی ہے کہ انسانیت کا ضمیر ابھی مردہ نہیں ہوا۔

Shylock کے ظلم وجارحیت کے کردار (Role) اور Portia کی عدل وانصاف کی دُہائی کے کردار کی مثالیں شکسپیئر کے مغربی معاشرہ میں آج بھی دیکھنے کو مل رہی ہیں لیکن Portia نے رحم کی اپنی اپیل میں ایک بڑا خوبصورت تخیل اور ایک حسین تمنا یہ بھی پیش کی تھی کہ..... قدرت رکھنے کے باوجود عفو ودرگزر سے کام لینے کی ادا ایک ایسی ادا ہے، جس میں ربانی صفت کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ..... ''قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دینا''..... محض ایک تخیل اور تمنا ہے یا عمل کی دنیا میں اور عمل کی سطح پر ایسے واقعات رونما بھی ہوئے ہیں یا نہیں؟ اس کا واضح جواب ہمیں حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر پوری قدرت رکھنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو ودرگزر کے معاملہ کو اس کی ایک نہایت روشن اور کمال درجہ کو پہنچی ہوئی مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اسوہ اور نمونہ ہے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے قریش سے پوچھا تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا تو قریش نے کہا تھا: آپ کریم ہیں اور کریم کی اولاد ہیں، اس لئے آپ سے خیر ہی خیر کی امید ہے..... اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا..... لا تثریب علیکم الیوم وانتم الطلقاء تم پر آج کوئی الزام نہیں، تم سب آزاد ہو۔

مظلوم کے حامی شکسپیئر نے Portia کی زبانی..... ''قدرت رکھنے کے باوجود عفو ودگزر سے کام لینے اور معاف کر دینے''..... کے جس حسین تخیل اور خوبصورت تمنا کے ذریعہ دلاسہ اور تسلی کا کام لیا تھا، اسلامی تاریخ کے صفحات پر اس حسین تخیل اور خوبصورت تمنا کو ''واقعہ'' اور ''حقیقت'' کے عملی روپ میں دیکھا جا سکتا ہے، لیکن افسوس کہ اسلام کے ماننے والوں میں آج اس احساس جرم کو پیدا کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، کہ وہ دنیا کے لئے زحمت اور امن عالم کے لئے خطرہ ہیں..... آخر ایسا کیوں ہے؟ عالم اسلام کے پاس وسائل کی تو کمی نہیں مگر اس کے باوجود وہ مسائل سے دوچار کیوں کر ہے؟..... یہ ایک ایسا سوال ہے، جس کا باریک بینی اور حقیقت پسندی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

آج کا ظالم Shylock ایک بار پھر مظلوم Antonio کے جسم کے تازہ گوشت کا مطالبہ کر رہا ہے، اور Portia آج بھی انصاف اور رحم کی دُہائی دے رہی ہے..... کہیں یہ آج کے Antonio کے ''جرم ضعیفی'' کی سزا تو نہیں ہے؟!!!

اداریہ

عید میلاد النبی ﷺ کا پیغام

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خاتم النبیین وسید المرسلین محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد!

ماہ ربیع الاول میں ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اس تاریخ کی یاد ہے، جس میں ساری کائنات کے لئے رحمت بن کر آنے والے اور ساری خلق خدا کو اپنے پروردگار سے جوڑنے اور ابدی پیغام رحمت سنانے والے، اپنے رب کے آخری فرستادہ سید الخلق، خیر البشر حضرت سیدنا محمد بن عبداللہ علیہ الف تحیۃ وسلام اس عالم رنگ وبو میں تشریف لائے، ان کی وجہ سے اس عالم میں جو کہ نبیوں کی آمد کے انقطاع اور شیطان کی سرکردگی کے ہر چہار طرف عام ہو جانے سے ظلمت کدہ بن چکا تھا، اور اس زمین کے خالق کی نظر میں اس زمین کے رہنے والوں کی گمراہی عام نفرت کا باعث بن چکی تھی، رب العالمین کی رحمت جوش میں آئی اور اس زمین کی جو ظلمت کدۂ معصیت بن رہی تھی اس کو بچانے کا فیصلہ ہوا، چنانچہ رب العالمین نے اس میں اپنے آخری اور برگزیدہ نبی کو مبعوث فرمایا، آپ عظیم الشان اور پوری کائنات کے لئے رحمت خداوندی تھے، جس کو خود رب العالمین نے فرمایا:

"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ"

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں رحمۃ للعالمین فرمایا گیا وہاں "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا" (آیت) یعنی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے لئے قابل اتباع وعملی نمونہ ہیں، ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی جن باتوں کو سنتے اور معلوم کرتے ہیں تو وہ ایک مسلمان کی زندگی کے لئے اس کی انسانی زندگی کے متنوع اور مختلف نشیب وفراز میں رہنمائی کرنے والے نمونے پیش کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی آخر الزماں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ایسے مختلف حالات عطا فرمائے ہیں کہ جن میں تا قیامت پیش آنے والے مسلمانوں کی انسانی زندگی کو ایسی رہنمائی مل سکے، اور مسلمان اپنے کو ان سے روشنی حاصل کر کے صحیح راہ پر چلا سکے، جو راہ اس کے لئے دنیا میں خیر کا باعث ہو اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنے لہٰذا ہم کو سیرت کی یادگار محفلوں میں حضور خاتم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک تک محدود نہ رہنا چاہئے، بلکہ آپ کی حیات طیبہ کے مختلف انسانی اور نبوی حالات سے ہماری زندگیوں کو منور کرنے والی جو روشنی ملتی ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس کے ایک طرف ہماری زندگی دین ودنیا کے اعتبار سے صالح اور پاک زندگی بنے گی اور دوسری طرف زندگی کی جو مشکلات ہیں اور شب وروز کے انسانی معاشرہ کے بدلتے ہوئے حالات اور تغیرات ہیں ان میں بہتر حل کو سمجھنے اور اختیار کرنے کے لئے رہنمائی ملتی ہے، اس طرح سیرت پاک کا مطالعہ اور اس کی یاد کے مبارک جلسے صرف روحانی مسرت اور قلب وذہن کو قوت ومسرت ہی دینے والے نہ رہیں گے بلکہ ان میں ہمارے لئے بحیثیت امت مسلمہ اور بحیثیت مسلم افراد کے کامیاب اور باعث طمانیت زندگی کے لئے راہنمائی بھی ملے گی۔

اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خیر امت اور امت وسط بنایا ہے، اس کو تمام امتوں پر گواہ اور انکا رہبر بنایا ہے، یہ امت دعوت ہے، اس کی عزت وحفاظت امت دعوت ہونے میں ہے، اور اسی خصوصیت کے ساتھ اس کے عروج وزوال کے مواقع وابستہ رہے ہیں، اس کے اس عظیم مرتبہ کی بنا پر اس کو دوسری امتوں کے مقابلہ میں زیادہ مشکلات اور زیادہ ذمہ دارانہ مہمات سے سابقہ پڑتا رہا ہے، اور اس امت نے اپنے نبی کی ہدایات اور ان کی تربیت دی ہوئی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے اس کو اختیار کرنے والے تمام رہنمایان ملت کے نقش قدم پر چل کر بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں اور مشکل سے مشکل حالات کو سنبھالا ہے اور یہ راستہ برابر کھلا ہوا ہے، اہل عزیمت ودانائے راز دین وملت، اسوۂ نبوی واسوۂ صحابہ کی روشنی میں اس راستہ پر اپنی سابقہ تاریخ میں چلے ہیں اور یہ سلسلہ آئندہ بھی برابر چلتا رہے گا۔ صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

مقالۂ استقبالیہ

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

قرآن کا ادبی اعجاز

اس موضوع پر مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی مدظلہ کی آنے والی کتاب کا استقبالیہ مضمون

قرآن کلام الٰہی ہے، یہ ادب کی معراج ہے، بلاغت کا سدرۃ المنتہیٰ ہے، متقدمین سے لے کر متاخرین تک بے شمار ماہرین زبان وادب نے اسرار بلاغت قرآن کو اپنا موضوع بنایا، اسرار بلاغت سے آگاہ ہونا اور ان کا ذوق آشنا ہونا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، قرآن کریم کی تلاوت کر لینا ثواب کی بات ہے، اس کے مفاہیم کو جاننے کی کوشش کرنا واجب بھی ہے اور زیادتی اجر کا مستوجب بھی ہے، لیکن غزالان بلاغت کے مرغزار تک پہونچنے کے لئے عربی زبان وادب پر ملکہ تامہ کی ضرورت ہے، اس کے لئے معانی و بدیع کے فن پر کامل دستگاہ کی حاجت ہے اور اس کے لئے اعلیٰ ذوق درکار ہے، اس کے لئے قدیم و جدید ماہرین زبان ادب کے منظوم ومنثور مجموع و مرسل کلام کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے پھر اس کے ساتھ توفیق الٰہی کی ارزانی بھی چاہئے، اسی میدان ادب میں قرآن نے عربوں کے ماہرین زبان کو چیلنج دیا تھا اور کہا تھا کہ اس جیسی ایک سورہ بھی لاکر دکھاؤ، اور عرب جو اپنی زبان آوری اور زبان دانی پر ناز کرنے والے تھے چند آیتیں بھی اس جیسی پیش کرنے سے عاجز رہے اور اس کلام بلاغت نظام کے سامنے حیران اور ششدر تھے، انگشت بدنداں تھے، سر بگریباں تھے وہ اس پر ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے، مشرکین مکہ کو قرآن کے ادبی اعجاز کا اور اس کی غیر معمولی تاثیر کا پورا اندازہ ہو گیا تھا، اسی لئے ان کی کوشش ہوتی تھی کہ لوگ یہ کلام نہ سنیں، عرب کے قبائل حج کے لئے آتے ان کو اس کلام کو سننے سے روکنے کی پوری کوشش کی جاتی، ان کو نبی ﷺ سے ملنے نہیں دیا جاتا، انہیں بتایا جاتا کہ یہ کلام وہ جادو ہے جو خاندانوں میں جدائی ڈال دیتا ہے، ان ساری کوششوں کے بعد بھی اگر کوئی اس کلام کو سن لیتا تو ایمان لے آتا، وہ ایمان لانے پر خود کو مجبور پاتا، اس کی بہت سی مثالیں تاریخ نے اپنے رکارڈ میں محفوظ کر لی ہیں۔

سیرت ابن ہشام کی روایت ہے کہ جبیر بن مطعم بن عدی ایک غرض سے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ سورہ طور کی تلاوت فرما رہے تھے، جب آپ سے انہوں نے یہ آیت سنی "إن عذاب ربك لواقع ماله من دافع" تو ان پر کپکپی طاری ہو گئی اور انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا، عقبہ اولیٰ کے موقعہ پر جب آپ نے مدینہ سے آنے والوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کی تو سب ایمان لے آئے اور جب وہ یثرب واپس ہوئے تو قرآن سن کر لوگ اس کے اعجاز کے قائل ہو گئے، اور ہر گھر میں اسلام پھیل گیا اور پورا مدینہ قرآن کے ذریعہ ہی سے فتح ہوا، حضرت عمرؓ اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام کی خبر سن کر ان کے قتل کے ارادہ سے آئے تھے لیکن سورہ طٰہٰ کی آیات سن کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے، مدینہ میں اسید بن حضیر غصہ کی حالت میں مصعب بن عمیرؓ کی سرزنش کے ارادہ سے آئے اور قرآن کی آیتیں سن کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، جو چیز آن کی آن میں دلوں کی کایا پلٹ دیتی تھی وہ قرآن کی ادبی اعتبار سے نہایت دلکش آیتیں ہوتی تھیں، عربی زبان وبیان میں ان کی مہارت اور بصیرت کہتی تھی کہ یہ انسانی کلام نہیں ہو سکتا ہے، اس کا سرچشمہ کچھ اور ہے، قریش کے سرداروں میں متعدد ایسے تھے جو لوگوں سے چھپ چھپ کر قرآن سنتے تھے اور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے، قریش کے لوگوں نے ایک بار عتبہ بن ربیعہ کو سمجھوتہ کے لئے قاصد بنا کر رسول ﷺ کے پاس بھیجا، حضور ﷺ نے اس کی بات سننے کے بعد سورہ فصلت کی تلاوت کی اس کے بعد عتبہ اپنی قوم کے پاس آیا لوگوں نے دیکھتے ہی کہا کہ ابوالولید (عتبہ) کا چہرہ بدلا ہوا ہے، نجاشی کے دربار میں جب حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی آیتیں تلاوت کیں تو اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اس نے کہا بخدا یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں، ولید بن مغیرہ قریش کا ایک دولت مند اور بااثر شخص تھا وہ ایک بار آپ کے پاس آیا اور کچھ آیتوں کی تلاوت کی فرمائش کی آپ نے چند آیتیں پڑھیں اس نے پھر پڑھنے کی فرمائش کی وہ بے حد متاثر ہوا اور اس نے کہا کہ اس کلام میں کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے، یہ قرآن تھا جو فوراً دل کے اندر اتر جاتا تھا اور پتھر دلوں کو موم کر دیتا تھا، اس میں نہ ساحری تھی نہ شاعری تھی لیکن ان دونوں سے بڑھ کر اس میں اثر انگیزی اور دل کشی تھی۔

قرآن کے جمال ادب کے جلووں سے ذوق آشنا کرنا بہت مشکل کام ہے، اور عربی زبان کی خوبیوں اور باریکیوں پر اگر گہری نظر نہ ہو تو ان کو سمجھ لینا بھی بہت دشوار ہے، ادب کا تعلق ذوق سے ہے یہ ایک ملکہ ہے جو قدرت کی طرف سے ودیعت کیا جاتا ہے،

(بقیہ صفحہ ۲۹ پر)

چراغ راہ

جزیرۂ عرب عالم انسانیت سے مخاطب ہے

مادی ترقیوں کے باوجود

دنیا کی روح بیمار اور قلب مضطرب ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں کی زیر نظر تحریر ۱۹۵۰ء کی ہے جس میں یہ احساس اور تاثر نمایاں طور پر جھلک رہا ہے کہ عالم اسلام کا اصل منصب ومقام دنیا کی رہنمائی کا ہے اس لئے کہ وہ وحی محمدی اور دین سماوی کا امین و ترجمان ہے۔ اس فرض منصبی سے غفلت کے نتیجہ میں نہ صرف عالم اسلام پر مضر ومنفی اثرات مرتب ہونگے بلکہ اس کے نتیجہ میں عالم انسانیت کا بھی بڑا خسارہ ہوگا..... عالم اسلام کو درپیش صورت حال کے تناظر میں اس مضمون کا مطالعہ قاری کو احساس دلاتا ہے کہ عالم اسلام کے لئے کرنے کا اصل کام کیا ہے؟ نیز عالم انسانیت کی اصل ضرورت واحتیاج کیا ہے؟ یہ مضمون "تعمیر" کے فائل سے ماخوذ ہے اصل تحریر عربی زبان میں تھی اور جس کا ترجمہ جناب مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ نے کیا تھا۔ (ا۔ش)

عالم انسانیت میرا پرخلوص سلام قبول ہو!

میں نے تیری باتیں سنیں، بلاشبہ تیری گفتگو میں اخلاص ہے اور لہجہ سے صداقت و سنجیدگی نمایاں ہے۔ درحقیقت تو نے مجھے مخاطب کر کے اپنے ایک حصہ جسم اور عضو بیدار کو مخاطب کیا ہے جسے ان تمام باتوں کا احساس ہے جو تجھے محسوس ہوتی ہیں اور جسے تیری تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے اور جو واقعی تیرے رنج وراحت کا شریک اور درد ودکھ کا ساتھی ہے۔

تو نے عالمگیر رہنمائی کا تذکرہ کر کے مجھے وہ زمانہ یاد دلایا جسے یاد کر کے ہمیشہ میرا غم تازہ ہو جاتا ہے اور دل میں رنج وحسرت کا طوفان امنڈنے لگتا ہے جیسا کہ تجھے معلوم ہے میں تو سارے عالم سے الگ تھلگ ایک جزیرہ تھا جس کی نہ کسی کے نظر میں کوئی اہمیت تھی اور نہ کوئی نگاہ اٹھا کر دیکھتا تھا، جس وقت روم وفارس میں تمدن عروج پر تھا اور تو علم وصنعت میں ممتاز تھا اس وقت تیرے متمدن افراد سے جب میرے باشندوں کے بارے میں کچھ دریافت کیا جاتا تو یہی کہتے کہ جزیرۂ عرب کے بدو ہیں، علم وتمدن سے دور صنعت سے بیگانہ، حکومت وجہانبانی سے تہی مایہ، اونٹوں کے چرواہے ہیں، جھونپڑوں میں رہتے ہیں ہاں زبان دانی اور فصاحت میں ممتاز ہیں۔

لیکن خطا معاف! زندگی کی حرارت تیرے جسم سے مفقود ہو چکی تھی اور تو نے اپنی حرارت کھو دی تھی، انبیاء کی دعوت مالداروں کے عیش وآرام، غریبوں کی بدحالی وبیچارگی، شاہان وقت کے مظالم اور زندگی کے گوناگوں تقاضوں اور سختیوں میں اس طرح کھوئی گئی تھی کہ ان سب نے دل میں کوئی گنجائش چھوڑی تھی اور نہ وقت میں، اور نہ صبر ہی کی تاب تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک وسیع وعریض خطے میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا تھا جو آخرت کے متعلق سوچتا اور اسے دین کی پرواہ ہوتی یا مقصد زندگی پر غور کرتا، شاذ ونادر ہی کوئی ایسا رہا ہو جس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ہوش یا فرصت ہو..... ادھر میرا یہ حال تھا بلا کسی انکسار کے کہتا ہوں کہ اخلاقی واجتماعی اور دینی اعتبار سے مختلف امراض کا شکار تھا، ایسے امراض کہ بسا اوقات تیرے امراض وعیوب کو بھی ان سے شرم آتی، لیکن زندگی کی ایک دبی ہوئی چنگاری ضرور تھی، مصائب کی برداشت، مقصد میں پختگی، عقیدے کی راہ میں جان دینے کے لئے تیار رہنا، معاشرت میں سادگی، مادیت ودولت کو حقیر سمجھنا اور اسی طرح کے وہ تمام اوصاف جو ایک مسلسل قربانی دینے والی قوم کے لئے ضروری ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تیری طرف ایک نگاہ ڈالی، اس وقت تیرے دامن میں وہ سب کچھ تھا جس سے سیاح خوش ہوتے ہیں اور سیر وتفریح کرنے والے جن سے دلچسپی لیتے ہیں لیکن وہ بات نہیں تھی جو اس عالم کے اس خالق کو راضی کر سکے جس نے کسی مقصد کے ماتحت اس جہاں کو پیدا کیا ہے چنانچہ حکمت الٰہی ان تمام قوموں کا جائزہ لینے کے بعد اس قوم پر متوجہ ہوئی جو معاشرت میں سب سے زیادہ گمنام لیکن امانت داری میں سب سے زیادہ آگے تھی اور اسی کو اپنے پیغام رسانی کے لئے منتخب فرمایا اور عالم انسانیت کے لئے اس کو مامور ومقرر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو میرے پاس بھیجا، جنھوں نے ام القریٰ میں آنکھیں کھولیں اور میرے ہی گہوارے میں پلے۔ میری نگاہوں کے سامنے پروان چڑھے اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ انسانیت کی آنکھوں کا نور اور خلاصۂ کائنات بن کر تشریف لائے۔

اور ایک دن۔ جس کی صحیح اہمیت کا اس وقت مجھے اندازہ نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے میرے ہی ایک پہاڑ پر انھیں رسالت سے مشرف فرمایا اور میری طرف مبعوث فرمایا کہ وہ سارے جہاں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہونچائیں، اس کے عذاب سے ڈرائیں اور اس کی رحمت کی خوشخبری سنائیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے چند افراد بھی منتخب فرمادئے جو میری ہی وادی کے چشم وچراغ تھے، ہر چند کہ ان کی طرف میں نے کوئی توجہ نہیں کی تھی اور نہ ان کی

قیمت کا مجھے کوئی اندازہ تھا، لیکن انھوں نے اپنی اہمیت و قیمت خود ثابت کردی۔ دل کے سب سے زیادہ پاک، علم میں گہرے، تکلفات سے دور، ہمت کے دھنی، ارادے کے پکے، ایمان کے سچے، راتوں کے عبادت گزار اور دن کے شہسوار تھے، پھر تو نے دیکھا کہ میں بھی ایک نئی روح لے کر اٹھا اور تازہ دم ہو کر تیرے سامنے آیا، یہ رسالت کی روح تھی اور ایمان کا دم خم تھا اور ایسے جوش کے ساتھ آیا جس سے تجھے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا تو نے اس وقت مجھے گھور کر دیکھا اور حریص اور جنگجو اور لالچی حکمرانوں میں شمار کیا، تو نے سمجھا کہ میں کسی ذاتی غرض کے لئے تیرے سامنے آیا ہوں یا فاقہ و تنگدستی اور رسد کی کمی نے مجھے حملہ پر مجبور کیا ہے چنانچہ یا تو تو نے وہ سب کچھ پیش کرنے کی کوشش کی جو حملہ آوروں کی بھوک کو سیر اور حریص حکمرانوں کی مسرت کا سبب ہوتی ہے لیکن معاملہ یہاں برعکس تھا، صرف رحم کا جذبہ تھا اور تجھے بگڑے ہوئے تمدن کے ناسور اور بت پرستی کی لعنت سے بچانے کی تڑپ تھی، تو نے خواہ مخواہ میری راہ روکنا چاہی اور بے نتیجہ مجھ سے جھگڑا مول لیا، لیکن روحانی قوت اور ایمانی حرارت کے آگے تیری مادی طاقتیں پگھلنے اور کمزور پڑنے لگیں یہاں تک کہ تو نے اپنے ہتھیار ڈال دئے اور قضائے مبرم کے آگے سر تسلیم خم کردیا پھر جب فتح و انقلاب کی دہشت دور ہوئی اور تیرے حواس بجا ہوئے اور میرے پیغام کا تو نے مطالعہ کیا اور اسے سمجھنے کی کوشش کی تو یہ حقیقت تجھ پر روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی کا راز صرف اسی پیغام میں مضمر ہے اور یہی علم و عقل اور امن و سلامتی کی دعوت ہے اور صرف یہی دعوت، صالح تمدن کی بنیاد اور حوصلہ انسانی کی معراج بن سکتی ہے چنانچہ کہتے ہیں ممالک ایمان سے مشرف ہوئے اور قومیں اس دعوت کے آگے سرنگوں ہوئیں اس ایمان نے ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کیا اور ایک زمانہ سے جن زنجیروں میں وہ جکڑے ہوئے تھے ان سے گلو خاصی نصیب کی اور علم و دین کی امامت اور حکومت و سیاست میں پیشوائی کے قابل بنادیا۔

اسی درمیان میں مجھ پر وہ حادثہ گزرا جو دنیا کا سب سے بڑا سانحہ تھا، میں تجھ سے چھپاتا نہیں کہ ان غیر معمولی فتح مندیوں اور بے شمار مال غنیمت اور بڑے بڑے خزانوں اور ان چکا چوند کردینے والے تمدنوں نے جن سے مجھے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا مجھے مدہوش بنادیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا شعلۂ ایمان سرد پڑ گیا اور جوش و ہمت مفقود ہوگیا دلوں کی انگیٹھیاں سرد ہوگئیں کیونکہ ایمان ہی دلوں سے جاتا رہا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کا خطرہ ظاہر کیا وہ ہو کر رہی "یعنی مجھے اس کا خوف نہیں ہے کہ تم غریب ہو جاؤ گے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر دنیا نہ مسلط ہو جائے جس طرح ان لوگوں پر مسلط ہوئی تھی جو تم سے پہلے تھے، پھر یہ دنیا تمہیں اسی طرح ہلاک کردے جس طرح اس نے ان لوگوں کو ہلاک کردیا" بالآخر میرے افراد تو وہی رہے لیکن روح وہ نہ رہی ان کے جسم انھیں کے جیسے تھے بلکہ ان سے زیادہ توانا، لباس کا کیا کہنا پہلے سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور نفیس، چہرے دیکھئے تو کہیں زیادہ تابناک و تابدار لیکن روحیں سرد، دل بجھے ہوئے، عزائم پست "ان کو دیکھو تو ان کے جسم بڑے بھلے لگیں باتیں کریں تو ایسا معلوم ہو کہ بس سنتے ہی رہ جائیں (اندر سے اس قدر کھوکھلے کہ) گویا وہ ٹیک لگائے ہوئے کندے ہیں" اسوقت میں کمزوری اور کسل کا خوگر ہوگیا، ضعف و سستی نے کشمکش حیات سے فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا میں نے اسی میں سلامتی سمجھی کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے عزت و خاموشی میں زندگی گزار دوں، زندگی سے میری یہ کنارہ کشی ایک عالمگیر انسانی سانحہ اور بین الاقوامی حادثہ تھا ساری قومیں بھیڑوں کا ایک ریوڑ تھیں جن کا کوئی نگہبان نہیں تھا اور قافلہ انسانی کی یہ بے بسی قابل رحم تھی کہ چلنا ضرور ہے اور کارواں سالار کا پتہ نہیں۔

یہ وہ سنگین وقت تھا کہ ساری قومیں علم و تمدن اور صنعت و اکتشاف کے میدان میں حواس باختہ اور سرگرداں تھیں یہ وقت بڑی مصیبت کا تھا ایک طرف سائنسدانوں اور محققین نے وسیع طاقتوں اور مسخر العقول ذرائع کا انکشاف، ہوا پانی برق و بخار اور تمام علوم و حکمت پر عبور حاصل کرلیا تھا لیکن روح کی اہمیت کو نظر انداز کردیا، ایمان کی قدر و قیمت کی تحقیر کی، اخلاقی تربیت کے مسئلہ کو پس پشت ڈال دیا نتیجہ یہ ہوا کہ تیری پیش قدمیوں کے خمیر میں نقص شامل رہا اور تیری نشأۃ ثانیہ ایک ہنگامی غیر منظم اور بے مقصد حرکت و جدوجہد تھی، تیری مثال ایک جنگلی خودرو پودے کی تھی، جو بغیر کسی نگرانی کے پھول پھل رہا ہو ایک شاخ دائیں جارہی ہے تو دوسری بائیں جانب بڑھ رہی ہے، ایک ٹہنی فضا پاگئی تو بہت دور تک پھیل گئی اور دوسری ٹہنی کو موقع نہ ملا تو سمٹ کر رہ گئی یا جیسے کوئی انسانی بچہ جو ریچھ کے بھٹ یا بھیڑئے کے کھو میں پرورش پاتا ہے کہ اس کے ناخن و پنجے بڑے طاقتور ہو جاتے ہیں لیکن انسانی اخلاق میں صفر اور عقل سے محروم رہ جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تو مشینوں کی ترقی و کثرت اور مقصد کے فقدان کی شکایت کررہا ہے اور تجھے گلہ ہے کہ قوت کا استعمال غلط ہو رہا ہے، علوم میں الجھاؤ ہے تربیت یافتہ طبقے میں اخلاقی سقم ہے، ادباء و مصنفین حرص و طمع کے اور اخبار نویس کذب بیانی کے شکار ہیں، سیاسی لیڈروں میں مکر و فریب ہے، اطباء و معالجین خطرہ جان اور ناعاقبت اندیش ہیں انھیں باتوں کا نتیجہ ہے، جس کی تجھے شکایت ہے کہ روح بیمار ہوگئی ہے اور قلب مضطرب، نفس مجروح ہے۔ جاری.....

☆☆☆

ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

انسانی مخلوق کو زندگی کے صحیح اور مناسب کردار کے راستہ پر چلانے کے لئے ان کا پروردگار خود انسانوں میں سے ایسے اشخاص کو مقرر فرماتا رہا ہے جو اس کے مفوضہ کام کو اخلاص و ہمت سے انجام دے سکیں، ہدایت کے اس اہم کام کے لئے پروردگار عالم کی طرف سے جو انسان مقرر ہوئے وہ نبی اور رسول کے لفظ سے یاد کئے جاتے رہے وہ اپنی نفسیاتی عقل و جسمانی خصوصیات میں مکمل اور اپنے ہم جنسوں میں فائق اور بلند خصوصیات کے حامل ہوتے تھے، یہ سلسلہ انسانوں کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک قائم رہا، انبیاء میں اعلیٰ خصوصیات و صلاحیتوں کے ہونے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پیدا کئے جانے کے لحاظ سے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کے معاملہ میں بہترین اور مکمل بنایا، اور اس کے لئے خاص طور پر آپ کو زندگی کے مختلف و متنوع نشیب و فراز سے گذارا جو انسان میں مختلف حالات کو جھیلنے اور مناسب راہ نکالنے کے لئے معاون ہوتے ہیں، اولاً آپ کو یتیم پیدا کیا، پیدا ہونے کے بعد آپ کی نگاہ جب باشعور ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ آپ کو سایہ پدری حاصل نہیں جب کہ سیکڑوں آپ کے ہم سنوں کو یہ حاصل ہے، یہ بات ایک معصوم اور صغیر السن بچہ کے قلب و ذہن کے لئے ایک بوجھ اور شکستہ دلی کا باعث ہوا کرتی ہے، پھر مزید یہ کہ چھ سال کی عمر میں ہی سایۂ مادری بھی باقی نہ رہا، اور اس کے بعد پھر شفقت کرنے والے دادا بھی ۸ سال کی عمر میں موجود نہ رہے، ان محرومیوں کو اگر بچہ بحسن و خوبی نہ جھیل سکے تو اس کی زندگی کی راہ پیچیدہ ہو جاتی ہے، اور زندگی میں اس کی کامیابی مبہم ہو کر رہ جاتی ہے، لیکن اگر اس بوجھ کو خداداد ہمت سے وہ جھیل لے تو اس کی شخصیت میں مشکل حالات کو جھیلنے اور ان میں ضرورت اور پسند کی راہ نکالنے کی خاصی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہمت خصوصی طور پر عطا فرمائی جس کی بنا پر آپ میں حالات اور واقعات کے تقاضوں کو مناسب ڈھنگ سے محسوس کرنے اور زندگی کے چیلنجوں کا مناسب ڈھنگ سے مقابلہ کرنے کی سمجھ اور ہمت پیدا ہوئی اور جلد ہی آپ نے باعزت زندگی کی راہ اختیار کی، اور زندگی کو عزت نفس اور عالی ہمتی سے آراستہ فرمایا، مزید یہ کہ آپ میں زندگی اور کائنات کے سربستہ راز کو سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کا ذوق پیدا کیا چنانچہ آپ نبوت ملنے سے قبل ہی شہر کی آبادی سے نکل جاتے اور آبادی سے الگ ایک غار میں کچھ وقت گذارا کرتے، ظاہر ہے آپ کا تنہائی اور تخلیہ میں کچھ وقت گذارنے کا جذبہ و تقاضہ اعلیٰ حقیقت کی طلب اور اس کے سلسلہ میں غور و فکر کے لئے رہا ہوگا انہی جیسے احساسات کے نتیجہ میں تھا، پھر چونکہ پروردگار عالم نے عربوں اور غیر عربوں کے حق اور خدا کی بندگی کی صحیح راہ سے بہک جانے کو دیکھتے ہوئے ان کی ہدایت کے لئے آپ کو مقرر کرنا طے کیا، اس لئے پردۂ غیب سے وہ اشارے آنے لگے اور نبوت ملنے سے قبل ہی حجر و شجر سے اللہ کے نبی کے عنوان سے مخاطب کرنے کی آوازیں بھی آنے لگیں جن کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعجب سے متوجہ ہو جایا کرتے لیکن کوئی قائل نظر نہ آتا کانوں کو ان صداؤں سے آشنا کردینے کے بعد باقاعدہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ان صداؤں کی حقیقت لے کر آپ کے پاس آپ کے تخلیہ کی جگہ غار حرا پہنچے، اور نبوت کا پیغام پہنچایا، پھر وقت کے کچھ فرق سے اپنی اصل شکل میں بھی افق پر ظاہر ہوئے تاکہ ذہن کے کسی گوشہ میں پیغام خداوندی کے لانے والے اس فرشتہ کو نامعلوم محسوس کرنے کا کوئی شائبہ نہ رہ جائے۔

اس طرح آپ پر نبوت و رسالت کا وہ عظیم بار ڈالا گیا جو وسعت کے لحاظ سے دیگر تمام انبیاء پر نہیں ڈالا گیا تھا، جس کو آپ کے خداداد فراست رکھنے والے قلب و ذہن نے اس کی ذمہ دارانہ اہمیت کو محسوس کیا، اور آپ نے اپنی عاقل و مخلص اہل خانہ سے بھی اس واقعہ کا اور اس کے عظیم بوجھ محسوس کرنے کا تذکرہ کیا، انہوں نے تسکین دی اور آپ کی اعلیٰ انسانی صفات، کریم النفسی اور اعلیٰ انسانی کردار کی مثالوں کے حوالہ سے اس کو بلند اور مقدس ذمہ داری قرار دیا اور مزید تقویت کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے آشنا اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے جا کر تصدیق کرائی، اللہ تعالیٰ نے آپ میں اس بار کے اٹھانے کی صلاحیت ودیعت کی تھی، چنانچہ آپ نے اس بار عظیم کو یعنی عظیم دعوت دین کی خاردار گذرگاہوں میں چلنے کو ہمت و بلند نظری سے قبول کیا، اور ہمت اور عزیمت کے ساتھ نبھایا، آپ نے آغاز عمر سے ہی زندگی کی خاردار راہ کو طے کیا تھا۔

باپ کی طرف سے یتیمی کے مرحلہ سے

آپ کو پیدائش سے قبل ہی سابقہ پڑا تھا، پھر ماں کی طرف سے یتیمی، پھر قریبی مشفق و مربی یعنی دادا کی بھی ۸ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے پر جدائی ہوگئی، لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر کرم رہی اور اس نے مشفق چچا عطا فرمایا جس کی ہمدردی و شفقت سے عمر کے پختہ ہوجانے کی مدت تک تعاون ملتا رہا اور جو نبوت ملنے کے بعد نبوت کے کام میں اپنوں کی دشمنی اور ایذا رسانی کو ناقابل برداشت حد تک پہنچنے سے بچانے میں معاون رہے، اسی کے ساتھ ساتھ آپ کو بفضل الٰہی ایک نہایت سمجھدار اور باہمت و ہمدرد صفت اہلیہ بھی ملیں، جنھوں نے آپ کا مشکلات کے موقعوں پر بہت ہمدردانہ ساتھ دیا لیکن رب العالمین نے دونوں کی طرف سے حصول ہمدردی کے اس مرحلہ میں کچھ عرصہ رکھنے کے بعد اس تعاون کی سہولت بھی آپؐ سے ہٹالی کہ آپ اس سے بھی مستغنی ہوکر اپنی راہ بنائیں اور اپنے خدا کی مدد پر انحصار کرتے ہوئے اب آپؐ صرف اپنے رب کی نگہبانی میں ہی مسئلے حل کریں، جس نے یہ عظیم ذمہ داری ڈالی ہے اس کی طرف سے مدد ہوتی رہے گی لیکن صبر و ہمت اور تنہا اپنے رب پر بھروسہ کا ثبوت دینا ہوگا، چنانچہ آپ نے دعوت کے کام کی خاردار راہوں پر چلتے ہوئے نبوت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں صرف دس سال گذارے تھے کہ مذکورہ بالا دونوں مشفقانہ و ہمدردانہ تعاون کے سہارے بھی ختم ہوگئے، سخت آزمائش کے کئی موقعوں پر ایسے میں آپ کی شخصیت و صفت برداشت اس عظیم معیار کے مطابق ظاہر ہوئی، اگر نہ ظاہر ہوئی ہوتی تو شاید برداشت سے باہر ہوجاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے اس عظیم منصب پر سرفراز کرایا تھا جس میں مشکل سے مشکل حالات کا بخوبی مقابلہ کرنے کی طاقت عطا کی تھی لہٰذا مکہ کے کافر آپؐ کو اور مسلمانوں کو اتنی ایذا پہنچاتے تھے کہ برداشت سے باہر ہوجاتا تھا یہ آپ کی تربیت اور تسکین صبر کے نتیجہ میں تھا، ان کی اس ایذا رسانی سے بعض بعض کی موت تک واقع ہوئی ہے، خاص طور پر جو افراد قریشی خاندان کے نہ ہوتے یا غلام ہوتے ان کو حد سے زیادہ ایذا برداشت کرنا پڑتی، جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں آیا ہے کہ گرم پتھر پر لٹائے جاتے تھے اور گرم پتھر سے ان کے جسم کو داغا جاتا تھا کہ وہ، وہ نہ کہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں لیکن وہ عزیمت کے پیکر تھے "احد احد" یعنی خدا تو ایک ہی ہے خدا تو ایک ہی ہے" کہتے، اور عقیدۂ توحید سے روگردانی نہ کرتے خاندانِ یاسر کے افراد کو تو اتنی ایذا دی جاتی کہ لوگوں کو دیکھنا مشکل ہوجاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی طرف کسی وقت گذر ہوتا تو آپ فرماتے "صبرا یا آل یاسر موعدکم الجنۃ" اے یاسر کے خاندان والو! صبر کرو تم کو جنت ملے گی" حضرت یاسرؓ ثابت قدم رہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا کہ صرف برداشت کرنا ہے بدلہ نہیں لینا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوی تربیت و تعلیم اور اخلاق و محبت کی اثر انگیزی آپ کے رفقاء کے لئے ان ایذا رسانیوں میں صبر و ہمت پیدا کرتی تھی آغاز اسلام سے ۱۳ سال تک کی یہ مدت اسلامی دعوت و ایمانی تربیت کے ساتھ اسی صبر و برداشت میں گذری۔

ایک موقع پر ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اب تو برداشت سے زیادہ ہوگیا ہے آپؐ نے فرمایا ابھی سے تم بے قرار ہوگئے تم سے پہلے کی امتوں پر ایسے ایسے حالات گذرے کہ ان کے بدن لوہے کی کنگھیوں سے نوچے گئے اور انہوں نے صبر کیا، صبر کرو تم اطمینان رکھو ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم غالب ہوگے، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی گندگی ڈال دی جاتی تھی کبھی دوسری قسم کی ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں کبھی راستہ پر کانٹے بچھائے جاتے تھے اور ایک موقع پر ابوجہل جو آپ کا بڑا مخالف، تھا آپ کے ساتھ بڑی ایذا رسانی سے پیش آیا آپ کو بہت تکلیف ہوئی لیکن آپ نے کچھ نہیں کیا، تھوڑی دیر میں آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کو معلوم ہوا وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن بھتیجے کے ساتھ بدسلوکی سن کر غصہ آگیا اور جا کر ابوجہل کو زدوکوب کیا اور کہا کہ ہمت ہو تو ہمارے ساتھ کرو اور جوش میں آکر مسلمان ہوگئے اور اسلام و مسلمانوں کی تقویت کا باعث بنے، اور ایک موقع پر حضرت عمرؓ بن خطاب جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ اپنے ساتھیوں کی طرح اسلام دشمن بنے ہوئے تھے اور خاندان میں سخت دل مشہور تھے، کہنے سننے میں جوش میں آگئے اور کہنے لگے کہ ابھی جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام تمام کردیتا ہوں تاکہ قصہ ختم ہو، چنانچہ وہ لوگوں کے کہنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی نیت سے نکلے لیکن راستہ میں اپنی بہن کے گھر سے گزرے اور ان سے الجھے اور بہن کو مارا بھی پھر شرم آئی اور بات بنانے کے لئے کہنے لگے کہ اچھا وہ قرآن دکھاؤ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے، اس کو پڑھنے پر دل پر اثر پڑا اور ان کی ترغیب پر مسلمان ہونے کی نیت کرلی، اور اپنے برے ارادہ سے باز آگئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کے اس تیرہ سالہ ابتدائی دور میں صرف صبر کرنے کا حکم تھا، فرمایا "کُفُّوا أَیْدِیَکُم وَأَقِیمُوا الصلاۃ" اپنے ہاتھوں کو تھامے رکھو اور نماز قائم کرو یعنی رجوع الی اللہ اور دعا، عبادت سے قوت حاصل

کرو، ایذا رسانیوں کو برداشت کرو، انتقام نہ لو، چنانچہ تمام مسلمانوں نے اس حکم کی بجا آوری پوری اطاعت و اخلاص سے کی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ایمان اور اطاعت الٰہی کے راستے میں ہر طرح کی قربانی کے جذبہ کی تربیت حاصل کرلی، یہ ۱۳ سالہ دور مسلمانوں کے ایمان اور حق کے لئے ہر طرح کی قربانی برداشت کرنے کی تربیت کا دور تھا اور یہ دراصل ان کی اس غیر معمولی تربیت کا دور رہا جس کے بعد ان کو اپنے دین و ایمان کے لئے کسی طرح کی قربانی دینے میں تردد یا بے ہمتی دکھانے کی کمزوری باقی نہیں رہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایسی جماعت بننا تھا جو اللہ کے لئے اپنی جان و مال قربان کرنے میں کوئی جھجک نہ رکھتی ہو، اور یہ بات اس امتحانی و تربیتی دور سے گذرنے پر مسلم معاشرہ کو بخوبی حاصل ہوگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال اس سلسلہ میں سب سے زیادہ معیاری تھی مکہ کی زندگی میں دشمنانِ اسلام کا اصل نشانہ وہی رہے، آپؐ بیت اللہ شریف میں نماز پڑھنے آتے اور دشمنوں کی طرف سے سب و شتم سنتے اور نماز پڑھ کر خاموشی سے واپس چلے جاتے ذرا مشتعل نہ ہوتے، آپؐ کے کاندھوں پر اوجھڑی بھی ڈالی گئی جس کے اثر سے سجدہ سے اٹھنا مشکل ہوگیا، صاحبزادی صاحبہ حضرت فاطمہؓ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو انھوں نے آکر اس گندگی کو ہٹایا، راستے میں کانٹے بچھائے جاتے، آپ یہ سب خندہ پیشانی سے برداشت کرتے، آپ کی دو صاحبزادیوں کو جو ابولہب کے بیٹوں کی بیویاں تھیں ابولہب نے اپنے بیٹوں پر زور ڈال کر طلاق دلوادی، اور ایک موقع پر قریش کے سب سردار ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے سخت انداز میں کہا کہ اپنے بھتیجے کو روکیں ورنہ وہ لوگ کارروائی کریں گے، ابوطالب پریشان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور کہا کہ بھتیجے! قوم کے سردار میرے پاس آئے تھے اور تمہارے سلسلہ میں منع کرنے کے لئے کہہ رہے تھے، میں بوڑھا ہوگیا، مخالفت زیادہ نہیں جھیل سکتا، مجھ پر رحم کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا کہ رعایت اور خیال کرنے والے چچا بھی اب ہمدردی سے منھ موڑ رہے ہیں آپ کو اپنے چچا سے ان کی ہمدردی اور شفقت طویل عرصہ سے مسلسل ملنے کی وجہ سے ان کی یہ معذرت بہت محسوس ہوئی، لیکن دین کا معاملہ تھا آپ نے فرمایا کہ میں اس کو تو نہیں چھوڑ سکتا خواہ یہ لوگ سورج و چاند توڑ لائیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دیں، یہ فرما کر آپ لوٹنے لگے، چچا کی اس معذرت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، چچا نے دیکھا ان کے دل پر اثر پڑا چنانچہ آواز دی بلایا اور کہا جاؤ تم کو نہیں چھوڑوں گا، خواہ یہ لوگ کچھ کہیں تم اپنا کام کرتے رہو، ایسی محبت و ہمدردی والا چچا لیکن جب ابوطالب کا انتقال ہونے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کلمۂ توحید کہنے کے خواہشمند ہوئے کہ آپ اتنا کہہ دیں باقی کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا، لیکن انھوں نے قوم کی تنقید کے ڈر سے کلمہ پڑھنے کا عمل نہیں کیا، اگرچہ حضرت عباسؓ نے یہ محسوس کیا کہ خاموشی سے انھوں نے وہ کلمہ پڑھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں نے نہیں سنا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا لیکن دین کے بدلنے کے لئے ان کی مروت نہیں کی، اور نہ جبر سے کام لیا، کبھی اسلام کے حوالہ سے ابوطالب کے لئے توقع کا کوئی لفظ کہا اور اپنے والدین کے لئے دین کے معاملہ میں بھی کوئی ایسی بات نہیں فرمائی، آپؐ کی وہ ایمانی شان بھی جو آپ کے رسول آخر الزماں کے مقام کے لائق تھی کہ کوئی کتنا ہی محبوب اور عزیز ہو اسلام کے تقاضے کے خلاف کوئی رعایتی لفظ نہیں فرمایا، خواہ دنیاوی تعلق کیسا قریب اور خاندانی ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں کفار کی طرف سے ایذا رسانی اور اس کے لئے برداشت کے سلسلے میں جو سخت آزمائشی مواقع پیش آئے ان سے ذہنی پریشانی بھی بہت ہوتی، اور ابوطالب کے نہ رہنے سے بعض سنگین خطرات کا اندیشہ بھی بڑھ گیا، اس صورت میں آپ کو خیال آیا کہ مکہ کے ہمسر شہر طائف کی کسی بزرگ شخصیت کی انسانی ہمدردی اگر حاصل ہوجائے تو دعوت کے کام میں خطرات کی کمی ہوسکتی ہے، یہ صورت اس لئے بھی مناسب معلوم ہوئی کہ ایک ہی وقت میں آپ کے چچا اور آپ کی اہلیہ دونوں آپ سے جدا ہوگئے تھے اور آپ کو کسی مضبوط شخصیت کی ہمدردی و تعاون کے حصول کی ضرورت محسوس ہوئی تھی جس کی بنا پر، اور آپ کی نظر طائف پر پڑی جہاں اس علاقے کی بااثر خاندانی شخصیتوں میں کئی ایک تھیں آپؐ نے وہاں جا کر ان سے بات کرنے کا ارادہ کیا اور بروقت سفر کرکے وہاں تشریف لے گئے اور وہاں کے تین سربراہوں میں سے کسی ایک کی حق کی خاطر ہمدردی و حمایت چاہی، لیکن خدا کو یہاں بھی آپ کے عزم و استقامت اور صبر و برداشت کو ہی مقدم رکھنا تھا لہٰذا ان سے ہمدردی نہیں ملی اور انھوں نے مسافروں کے ساتھ کیا جانے والا عربی اخلاق بھی آپؐ کے ساتھ نہیں برتا، اور قریش کے مخالفانہ رویہ کو بنیاد بناتے ہوئے آپ سے ہمدردی کرنے کو مسترد کردیا بلکہ عام انسانی اخلاق کے برعکس شہر کے اوباش لوگوں کو پتھر مارنے پر لگادیا جس سے آپ کے قدم مبارک لہولہان ہوگئے، پردیس میں اور ایسی بے بسی کی حالت دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو خصوصی

رحم آیا اور خصوصی مدد کی پیشکش ہوئی اور حضرت جبریل پیغام لائے کہ زلزلہ کے ذریعہ ان ظالموں کو سخت سزا دی جاسکتی ہے، لیکن آپؐ نے عبدیت کے اعلیٰ معیار کو ترجیح دی، سزا دینے کی فرمائش نہیں کی اور اپنی دعا میں صرف اپنی بے بسی کے اظہار کے ساتھ حق کے لئے صبر و برداشت اور اپنے رب کی خوشنودی ہی پر اکتفا کرنے کو اختیار کیا جس کا اظہار آپ کی اس دعا کے الفاظ سے ہوتا ہے جو اس موقع پر آپؐ نے ادا فرمایا۔

دوسرا موقع وہ آیا جب آپ کے خاندان نے آپ کی جان ہی لے لینے کا منصوبہ بنایا، اپنے بااثر مشفق چچا کے فوت ہوجانے کے بعد ہی سے آپ کے قبیلہ کے جانی دشمن حضرات مزید بیباک اور ظالم ہوگئے تھے، اب انھوں نے اس منصوبہ کو ایک رات انجام دینے کا پروگرام بنالیا ان کے اس مصمم ارادہ قتل اور اس کی کھلی ہوئی کوشش کے علم میں آنے پر جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ملی چنانچہ آپؐ نے اپنے رب کی اجازت سے رات کے اندھیرے میں وطن عزیز کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا اور مدینہ منورہ کا سفر فرمایا جہاں کے لوگ پہلے سے ہمدردی اور تعاون کا یقین دلا چکے تھے، اور آپ کے وطن عزیز چھوڑ کر وہاں منتقل ہوجانے پر انھوں نے پورا تعاون بھی دیا، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پہلے اس شہر کے لوگوں کی ہمدردی سے مستفید ہونے لگی تھی، اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں آجانے سے مسلمانوں کی اپنی ایک جمعیت اور سوسائٹی قائم ہوگئی، جو بااختیار زندگی کی سہولت رکھتی تھی، اور اپنا خود اختیاری نظام قائم کرسکتی تھی، لہٰذا یہاں سے مسلمانوں کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا، آپ کا اور آپ کی زندگی کا نیا مرحلہ بھی راحت وعیش کا نہ تھا، یہ نیا مرحلہ بھی آزمائشوں اور مشکل حالات سے گذرنے اور ایمان ویقین اور حکمت وصبر کی صفات کے ساتھ اس نظام زندگی کی دشواریوں سے گذرنے اور اس کے لائق حکمت عملی اختیار کرنے کا مرحلہ تھا، پہلا مرحلہ جو مکہ کا تیرہ سالہ مرحلہ تھا زندگی کی انفرادی مشکلات اور عزیز واقارب کی عداوتوں اور ایذا رسانیوں کو پوری سیر چشمی کے ساتھ برداشت کرنے میں گزرا، ایمان وعزیمت، دعوت وتبلیغ اور مکارم اخلاق کا تھا جس میں ظلم کا جواب دینے یا اس کا انتقام لینے کی اجازت نہ تھی، اب نئے مرحلہ میں دعوت کے مقصد کو سینے سے لگائے ہوئے اجتماعی زندگی کو مرتب کرنے اور اس کے معاملات کو دین حق کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے انجام دینا تھا، اور عزیز واقارب کے دائرہ سے آگے بڑھ کر مختلف النوع افراد اور جماعتوں اور مخالفوں سے معاملہ تھا، یہ نظام زندگی بھی اپنی الگ نوع کی مشکلات رکھتا تھا، اور اس میں اجتماعی زندگی کے بھی چیلنج سامنے آرہے تھے، جن کا مقابلہ بھی کرنا تھا اور جواب بھی دینا تھا، مکہ کی زندگی میں مسلمان مغلوب اور کمزور تھے، لیکن آپ ایمان وعمل میں پختہ اور ناقابل شکست ہمت وعزیمت کے مالک تھے، مقابلہ میں کمزوری اور برداشت کے ساتھ عقیدہ وعمل میں ہمت وعزیمت کو بہت صبر وحکمت کے ساتھ جمع کئے ہوئے تھے، اب مدنی زندگی میں کمزوری کی جگہ اجتماعی طاقت حاصل ہوگئی تھی، اس کی بنا پر اپنے دشمنوں سے اجتماعی سطح پر معاملہ رکھنا تھا، اور ان کی دشمنی پر مناسب ردعمل ظاہر کرنا تھا، اس طرح سے ان نئے حالات میں نئے اسلوب وطریقہ سے ہمت وعزیمت کو اختیار کرنا تھا، سابقہ صورت حال بدل جانے کی دشواریوں میں تبدیلی نہیں آئی البتہ اب دشواریوں کا طرز دوسرا ہوگیا، اب اجتماعی نظام زندگی میں ابھرنے والی مشکلات سامنے آئیں جن کے لئے ہمت وعزیمت اور صبر وحکمت کی اسی طرح ضرورت باقی رہی جو پہلے تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس کے مطابق چلایا اور نظام زندگی کو نئے تقاضوں کے مطابق بنایا اور مشکلات کے مقابلہ میں صبر وعزیمت کا پورا ثبوت دیا۔

مسلمانوں پر اب ان کے دشمن مسلح اجتماعی طاقت سے حملہ آور ہوتے اور آپ مسلمانوں کے ساتھ ان کا اسی کے مطابق مقابلہ کرتے، پھر خود شہر کے اندر اجتماعی زندگی میں انفرادی مخالفانہ جذبات وعزائم جو دشمن فرقے یہودیوں کی طرف سے اور منافقین کی طرف سے پیش آئے ان کو جھیلنے اور ان کے سلسلہ میں مناسب رویہ اختیار کرنے کا عمل نہایت تحمل کے ساتھ کبھی برداشت کے ساتھ کبھی جزم وحزم کے ساتھ اختیار کرتے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ اور جامع انسانی صفات عطا فرمائی تھیں، ایسی صفات کہ جن سے اپنے معاشرہ میں زبردست وقار قائم ہوا، اور پُرہمت اور پُرعزیمت تقاضوں میں جن سے معاشرہ کے معاملات پڑ سکتے تھے، اس میں ہمت وعزیمت کے لحاظ سے کوئی کوتاہی بھی نہیں کی، اور اعلیٰ مقصد کے لئے اپنے عزیز اور قدردانوں سے کسی بھی اختلاف ہونے پر کریمانہ برتاؤ ہی اختیار کیا۔

زندگی کے مختلف مراحل میں جیسا جیسا تقاضا پیدا ہوا، اس کو اعلیٰ اُصول اور مقصد بلند کے بموجب ذمہ داری بخوبی انجام دی، زندگی کے شعور کا زمانہ جو عموماً انسان کے چھ سالہ عمر سے شروع ہوتا ہے، آپ کے لئے حالات بالکل ناسازگار تھے، ماں باپ دونوں سے محرومی ہوچکی تھی، لیکن آپ نے اپنی شخصیت کی تعمیر میں اس کو اثر انداز نہیں ہونے دیا، اور قریب تر اعزہ سے جو محبت مل

سکتی تھی اسی سے کام چلایا، آغاز جوانی تک اپنے شریفانہ اخلاق کو اپنے پورے معاشرہ میں تسلیم کرالیا، اور عملی زندگی میں معاش کی ضرورت کو شریفانہ انداز میں پورا کیا اور عائلی زندگی بھی اچھے معیار سے شروع کی، اور نبوت کی ذمہ داری ملنے پر اس کے اعلیٰ تقاضوں کو بخوبی پورا کیا، اور اس سلسلہ میں جو مصائب پیش آئے خندہ پیشانی سے گوارہ کیا، بالآخر مخالفوں نے آپ کی زندگی ہی کو جب ختم کرنے کا تہیہ کرلیا تو نقل مکانی کی اور نیا دور شروع کیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے خصوصی نظام کے تحت انجام پایا جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ إِذَا سَجٰى . مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى . وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولٰى . وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى . أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوٰى وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى . وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى . فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ . (سورۃ الضحیٰ)

جس کا مجموعی مفہوم حسب ذیل ہے:

اس سورہ میں آغاز اور رات کے سکون کے حوالے سے کہ جو انسان کے حرکت عمل اور پھر رات کے آرام اور سکون سے مفہوم پر دلالت کرتے ہیں، فرمایا گیا کہ آپ کو آپ کے رب نے چھوڑ نہیں دیا ہے، نظر انداز نہیں کردیا ہے اور نہ اپنی پسند سے ہٹایا ہے، البتہ آخرت کا معاملہ آپ کے لئے اس زندگی کے معاملہ سے زیادہ بہتری کا ہے، اور آپ کو عنقریب آپ کا رب اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہوجائیں گے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم نے آپ کو یتیم پایا تو آپ کے لئے ٹھکانہ کا انتظام کیا، اور آپ کو گم گشتہ راہ پایا تو آپ کو صحیح راہ پر ڈالا، اور آپ کو معاشی لحاظ سے دوسروں کا دست نگر پایا تو آپ کو مستغنی اور خود کفیل کردیا، اب اس کا آپ خیال رکھیں کہ یتیم پر سختی نہ کریں، اور مانگنے والے کو جھڑکے نہیں اور آپ پر آپ کے رب کے جو احسان ہیں (یعنی نبوت کا دوسرا احسان) اس کا آپ تذکرہ کریں اور لوگوں کو بتائیں (یعنی ان کو راہ حق کی طرف متوجہ کریں۔)

مکہ مکرمہ میں جب دشمنی برداشت کرنے میں حد سے بات آگے بڑھ گئی تو آپ اپنے رب کے حکم سے مدینہ منورہ منتقل ہوئے لیکن مکہ کے دشمنوں نے آپ کے مدینہ چلے جانے پر بھی آپ سے دشمنی ترک نہیں کی اور باقاعدہ جنگ کے حالات پیدا کرنے لگے، چنانچہ یکے بعد دیگرے مسلمانوں پر جنگ مسلط کی پہلی جنگ کفار قریش نے تین سو کیلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے مدینہ منورہ سے صرف ڈیڑھ سو کیلومیٹر کے قریب پہنچ کر، دوسری جنگ ساڑھے چار سو کیلومیٹر طے کرکے مدینہ طیبہ پہنچ کر کی، اسی طرح جنگیں ہوتی رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکمت وتدبر سے اور اعلیٰ انسانی کردار کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، مدینہ منورہ میں یہود کی ایک تعداد بھی تھی جن سے آپ نے معاہدہ کیا تھا، لیکن اندر سے یہود نے کفار مکہ سے سازش کی جس کے ثابت ہونے پر معاہدہ کی خلاف ورزی کی بنا پر ان کے خلاف بھی کاروائی کرنی پڑی، یہ سب ایسی حکمت وتدبر سے آپ نے کیا کہ اس میں عقل وحکمت، انسانیت وشرافت دوست ودشمن کا لحاظ اور ممکنہ انسانی رعایت سب کی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں، اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے چاروں دور، بچپنے سے لے کر جوانی تک جوانی سے نبوت کے ملنے تک اور نبوت کا مکی دور اور پھر مدنی دور، یہ سب اعلیٰ کردار نیک نفسی، سمجھداری، زندگی کے تقاضوں کو مناسب انسانی اُصولوں کے مطابق پورا کرنے، پھر معاشرہ کے تعلقات اور روابط اور پھر منفی ومثبت دونوں حالات کا مناسب ڈھنگ سے حق ادا کرنے اور دوست ودشمن کے ساتھ الگ الگ لیکن شریفانہ انسانی کردار کے دائرہ میں رہتے ہوئے معاملہ کرنے، ایسے غیر معمولی اور مثالی نمونے پیش کئے کہ غور کرنے پر عقل دنگ رہ جاتی ہے، ان مثالوں کو اگر وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے تو چند سطریں نہیں کتاب کی جلدیں چاہئیں، ہم کو سیرت کا مطالعہ اس کے مختلف حالات کے ان پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے کرنا چاہئے تو ہمارے سامنے ایک عظیم دنیائے انسانیت کھل کر سامنے آتی ہے، اور مسلمان کے لئے زندگی کے ہر مرحلہ میں اور ہر طرح کے حالات میں یہ باتیں اعلیٰ نمونہ بنتی ہیں اور ان کو نمونہ بنانے کا قرآن مجید میں بھی حکم آیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ (سورہ احزاب: ۲۱)

"تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔"

مدینہ منورہ میں اپنے ماننے والوں کی اکثریت اور سازگار ماحول قائم ہوجانے سے دین پر اسلام کے تقاضوں کے مطابق اجتماعی ومعاشرتی زندگی قائم کرنے کی سہولت حاصل ہوئی اور دین حق

کی دعوت زیادہ وسیع طریقہ سے پہنچانے کا موقع ملا، اس طریقہ سے مکمل دین حق کو انفرادی واجتماعی زندگی میں قائم کیا گیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی رہنمائی میں اور اپنے نبوی طریقۂ کار سے اعلیٰ انسانی اور ربانی خصوصیات کا معاشرہ تیار کیا جس کے اقدار اور طریقہ ہائے عمل صرف معین ہی نہیں کئے بلکہ ان کی تربیت دی جس میں اعلیٰ اخلاق، معیاری انسانی کردار، ایک دوسرے کی ہمدردی اور خیر خواہی اور حق کے راستہ سے بھٹکے ہوئے انسانوں تک کو دین وآخرت کی کامیابی کا پیغام پہنچایا، اور محدود دائرہ سے نکل کر وسیع تر پورے ملکی دائرے بلکہ مزید عالمی دائرہ تک انسانی صلاح وفلاح کا پیغام پہنچانے کا کام شروع ہوگیا۔

۱۳ر سال کی مکی زندگی میں مسلسل اور سخت سے سخت تکلیفیں جھیلنے اور ظلم وتشدد برداشت کرنے اور ہر طرح صبر وبرداشت کا ثبوت دیتے ہوئے بالآخر وطن ومال ومتاع کو خیر باد کہہ کر منتقل ہوجانے پر مجبور ہونے کے بعد پیش آیا، مکہ کی ۱۳ر سالہ مدت میں مسلمانوں کو مشرکین مکہ کی طرف سے کئے جانے والے ہر ظلم کو برداشت کرتے رہنے کی تلقین کی گئی تھی، حکم آیا تھا کہ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرتے رہو، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا ایک ذرہ بھی انتقام یا مقابلہ کا طریقہ اختیار نہیں کیا اور صرف اپنی اصلاح اور دوسروں کو نصیحت پر اکتفا کرتے رہے، لیکن جب وطن چھوڑ کر پردیس میں مقیم ہوجانے پر بھی ظلم وزیادتی وہاں تک پہنچانے کی کوشش ہونے لگی تو مسلمانوں کو اجازت ملی کہ وہ اپنے کو منظم کرکے مقابلہ کرسکتے ہیں، چنانچہ دشمنی کا جواب دینے کا یہ پہلا موقع تھا، جو بدر میں پیش آیا، وہ محض اللہ کے بھروسہ پر میدان جنگ میں آئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی مدد آئی، فرشتوں نے باقاعدہ جنگ میں شرکت کی اور مشرکین کی فوج کو کھلی شکست ہوئی اور مسلمانوں کو ۱۳ر سال کی مشقتوں کا پہلی بار صلہ ملا، یہ صلہ تین خصوصیات کا حامل تھا۔

پہلی خصوصیت تو یہ کہ ۱۳ر سال تک تکلیف دہ حالات میں بھی اعلیٰ کردار اور انسانیت نوازی پر قائم رہے، اور محض حکم الٰہی کی تعمیل میں سخت سے سخت زیادتی کا بھی جواب دینے سے گریز کرتے رہے اور انتقامی کاروائی کے لئے حکم الٰہی کے منتظر رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر پوری عملداری میں صبر وبرداشت کا ثبوت دینے کے امتحان میں وہ سو فیصد کامیاب رہے، ان میں وہ اعتماد پیدا ہوا جس نے ان کی آئندہ کی زندگی کو جد وجہد کی راہ میں ان کے قدموں کو مضبوط بنایا اور ہمت بڑھائی، اور وہ اپنے پروردگار کے فرماں بردار بندے ہونے کے ساتھ ایک ناقابل شکست طاقت بن گئے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صبر وثبات اور حق کے لئے جانی ومالی تکلیف اٹھانے کو قبول فرمایا اور ان کو جنت کا مستحق قرار دیا، جو نہایت غیر معمولی بشارت اور خوش خبری کی بات ہے۔

تیسرے یہ کہ دشمن کی دشمنی کا جواب دینے کی اجازت ملنے پر ان کو مقابلہ کا موقع ملا اور اس دشمن کو جو کبر ونخوت اور ظلم وتشدد میں شیر بنا ہوا تھا، مسلمانوں کے مظلوم ہاتھوں سے شکست ہوئی اور دشمن کے سامنے اپنے کو سربلند کرنے اور اعتماد کے ساتھ مقابلہ کرنے کی قوت حاصل ہوئی، مسلمانوں کو اپنے دین کی عظیم قدروں کی پابندی کرنے پر ان کو بدر کی فتح کی صورت میں مذکورہ بالا فائدے حاصل ہوئے اور وہ طاقتور اور پروقار امت ہوئے، پھر وہ دشمنوں کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کرتے ہوئے ۸ھ میں مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہونے کے لائق ہوئے اور یہ فتح انہوں نے بغیر جنگ اور بغیر فوج کشی کے حاصل کی، اور انھوں نے دیکھا کہ اعلیٰ قدروں پر قائم رہتے ہوئے اعلیٰ کردار پر عمل کرنے سے وہ کامیابی ملتی ہے جو محض طاقت کے انحصار سے نہیں ہوتی۔

سیرت کا پورا جائزہ لینے سے یہ بات صاف ونمایاں نظر آتی ہے کہ انسانی معاشرہ کے بھٹکے ہوئے معاشرہ کو راہ حق پر لگانا اور انسان کو حیوانی بھٹکتی ہوئی راہوں سے ہٹا کر اپنے خالق ومالک کے احکام کی تابعداری اور شریفانہ انسانی کردار، آپسی انسانی ہمدردی اور انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کے لائق صفات واخلاق سے متصف کرنے کی دعوت اور اس کے لئے انتھک کوشش مقصد بنی ہوئی تھی اور اسی ارے واقعات اسی کے گرد گردش کرتے نظر آتے ہیں، اور مقابلہ وجنگ بہت محدود اور اعلیٰ انسانی اخلاق کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے کی گئی، ..... معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے واقعات اور حالات آپ کے رب کی طرف سے ایسے تشکیل کئے گئے کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے زندگی کے ہر موڑ اور ہر صورتحال میں اُن سے نمونہ مل سکے، اس کے لئے ایسے نمونے رہتی دنیا تک مہیا کئے گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشقتوں سے بھی گذارا گیا، ..... نقصانات سے بھی گذارا گیا، تکلیف ومشقت اور راحت ومسرت دونوں طرح کے حالات سے گذارا گیا، اس طرح آپ کی حیات طیبہ ساری انسانی برادری کے لئے اعلیٰ مثال بھی ہے اور تعلیم وتربیت اور حق کی رہنمائی کا بہترین اور اعلیٰ ذریعہ بھی ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً.

فکر ونظر

نئی صورت حال کے مقابلہ کے لئے

تاریخ اور ملت کی صلاحیت کا جائزہ لینا ضروری ہے

مولانا واضح رشید حسنی ندوی

آج امت مسلمہ ایک نازک ترین دور سے گزر رہی ہے، حساس طبیعت لوگ شکست خوردگی اور مایوسی کی کیفیت سے دوچار ہیں، مایوسی کا یہ احساس اور ناامیدی کا ان پر یہ سایہ شاید اسی وجہ سے ہے کہ وہ ماضی کے واقعات سے ناواقف اور گذشتہ حوادث سے لاعلم ہیں البتہ وہ لوگ جو اسلام کی تاریخ سے واقفیت رکھتے ہیں اور ماضی میں مسلمانوں نے جو تکلیفیں برداشت کیں، اور ان کے خلاف دشمنوں نے جو سازشیں رچیں، اور صاحب عزیمت علماء اور مخلص قائدین نے ان سازشوں کو جس طرح بے نقاب اور ان فتنوں کا جس پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا، اور ان کے شریعت پر عمل پیرا ہونے اور ہر عمل میں رب کی خوشنودی اور رضامندی مدنظر رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے سروسامانی اور وسائل کی کمیابی کے باوجود ان کو فتح وکامرانی سے ہمکنار کیا، اس سے واقفیت رکھتے ہیں ان کے لئے یہ صورت حال نئی نہیں ہے، ان حالات سے نہ ان کی ہمتیں پست ہوئی ہیں نہ ان کے عزائم میں کوئی کمی آئی ہے، نہ ان کے ارادے پر کوئی چیز اثر انداز ہوئی ہے، بلکہ یہ واقعات ان کے اندر مزید خود اعتمادی پیدا کرنے، جوش وولولہ بڑھانے، اسلامی تعلیمات پر اعتماد بحال کرنے کے کام کرتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان واقعات سے ان کے اس یقین کو اور تقویت حاصل ہوتی ہے۔

جب بھی مسلمانوں نے خطرات اور چیلنجوں کا صبر وتحمل، حکمت وتدبر، ایمان ویقین اور گناہوں سے بچتے ہوئے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہوئے مقابلہ کیا خدا نے ان کی مدد کی اور ان کو فتح حاصل ہوئی، اس طرح کا احساس انھیں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگا جن کے پیش نظر مسلمانوں کی تاریخ کے فتح وشکست کے دونوں ادوار ہوں، پہلا دور جس میں عہد اول کے مسلمانوں نے شاندار فتوحات حاصل کیں، اور بڑی وسیع وعریض اور مستحکم سلطنتیں قائم کیں، جن کی قوت ناقابل تسخیر، جن کی تہذیب قابل تقلید اور جن کا تمدن اس ترقی یافتہ دور میں بھی قابل نمونہ ہے، دوسرا دور جو آزمائش کا دور ہے، جس میں مسلمانوں نے سخت ترین مراحل کا سامنا کیا اور سخت ترین آزمائشوں سے ان کو گذرنا پڑا اور ایک طویل عرصہ تک ان کو ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑا، اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور شاید اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تبدیلی کا آغاز خود ہمارے اندر سے نہ ہوگا۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو جو بھی کامیابی ملی ہے وہ وقتی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ جہد مسلسل کا ثمرہ اور طویل تحمل کا صلہ رہی ہے، قسطنطنیہ کی فتح کو لیجئے، دو چار نہیں گیارہ بار مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کیا تھا، اور پہلے محاصرے میں تو جلیل القدر صحابی حضرت ایوب انصاریؓ بھی شریک تھے، جو ۵۲ھ میں قسطنطنیہ کی فصیل کے سائے میں مدفون ہوئے، آخر کار بار بار کی یہ کوشش رنگ لائی اور صبر واستقامت نے اپنا کام کر دکھایا کہ ۸۵۷ھ مطابق ۱۴۵۳ء میں محمد الفاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے میں کامیابی حاصل کی، ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا، اور وہاں جس طرح مسلمانوں کا خون بہایا، اس کی تفصیل عیسائی مؤرخوں نے بھی بیان کی ہے، یہ قبضہ نوے سال تک قائم رہا، اس کے بعد عمادالدین زنگی اور نورالدین زنگی نے بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لئے اپنی ساری طاقت صرف کردی، لیکن ان کی کوششوں کا نتیجہ صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں سامنے آیا، چنانچہ صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ھ میں اس کو فتح کرنے کا کام انجام دیا، ظلم وبربریت کا خاتمہ ہوا اور اسلام کا سورج اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ روشن ہوا، عیسائیوں نے قبضہ کے بعد وہاں ظلم وسفاکی کی جو مثال قائم کی تھی اس کے مقابلے میں صلاح الدین ایوبی نے وہاں عدل وانصاف کا وہ نمونہ پیش کیا کہ عیسائی مؤرخین خاص طور پر لین پول اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے، ۶۵۶ھ میں تاتاریوں نے بغداد کو تاراج کیا، عراق کو تباہ وبرباد کرنے کے بعد شام کا رخ کیا، لیکن ۶۸۵ھ میں عین جالوت میں ظاہر بیبرس کے ہاتھوں شکست ہوئی، اس کے بعد عراق کو تباہ کرنے والے تاتاری ایک باعمل مسلمان کی دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں یورپی سامراجیت کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں یورپ نے اسلامی امتیازات کو مٹانے کی اور اسلامی تشخص کو ختم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، صرف دہلی اور اس کے اطراف میں انگریزوں نے جس طرح ظلم وبربریت کا مظاہرہ کیا وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے، پھر اس کے بعد پچاس سال تک انگریزوں سے اس ملک کو آزاد کرانے کے لئے جنگیں لڑی گئیں، جس میں مسلمانوں نے لاکھوں جانوں کا نذرانہ پیش کیا، آخری کار پچاس سالہ کوششوں کا نتیجہ کامیابی کی شکل میں ظاہر ہوا، اور یہ ملک غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوا۔

سامراجی حکومتوں نے آزاد ملکوں پر اپنا شکنجہ پھر کسنا چاہا، میدان جنگ میں بار بار شکست کھانے کے بعد انہوں نے مسلم ممالک کو غلام بنانے کے لئے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا، انہوں نے اسلامی تہذیب پر حملہ کیا، تعلیمی نظام کو تبدیل کیا نصاب تعلیم کو اپنے رنگ میں رنگا، آثار مٹانے کا کام کیا، تاریخی کتابوں کو از سر نو مرتب کیا، شرعی قوانین پر بے اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کی، اسلامی ناموں تک کو تبدیل کر دیا، فرائض تک کی ادائیگی پر پابندی لگادی، اور ان کے ذرائع ابلاغ، نظام حکومت، جاسوسی ادارے، خفیہ تنظیمیں، تفتیشی ٹیمیں، سب اسلامی وجود و تشخص کو بدلنے میں پوری طرح مصروف رہیں، لیکن اسلام اپنی سچائی، تعلیمات اور اثر انگیزی کی بدولت پورے یورپ کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے، جس کا سامنا یورپ اپنی فوجی برتری، سائنسی ترقی اور مکر پر مبنی سیاست کے باوجود نہیں کر پا رہا ہے، ہزار مخالفتوں اور پابندیوں کے باوجود اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، مغربی یونیورسٹیوں اور کالجوں سے ایسے اسلامی مفکر اور داعی پیدا ہو رہے ہیں جو ایمانی صلابت، دینی حمیت و غیرت اور دین کی خاطر جان قربان کرنے میں ان لوگوں سے کچھ کم نہیں جن کو اسلام وراثت میں ملا، اور ان کی نشو ونما اسلامی معاشرے میں ہوئی، اسلام کی صداقت اور اس کی سحر انگیزی اور انکی تعلیمات کی اثر پذیری کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کا دفاع کرنے کے لئے وہ لوگ میدان میں آئے جن کی نشو ونما کفر والی اور اسلام سے مکمل انحراف والے ماحول میں ہوئی، انھیں لوگوں نے اسلام کے جھنڈے کو بلند کیا، اور ایسے کتنے افراد ہیں جن کے اندر اسلامی دعوت کا یہ جذبہ یورپ میں رہ کر پیدا ہوا، یہ اسلام کے معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ ہے یورپی سامراج نے اپنے دور حکومت میں اسلام سے سخت نبرد آزمائی کی، اور اپنے تبشیری نظام اور مادی وسائل سے امت مسلمہ کے بہت سے جوانوں کے دلوں میں اثر ڈالا، حتیٰ کہ ایک سامراجی قائد نے یہ دعوی کیا کہ انھوں نے ایک ایسا نظام تعلیم ترتیب دیا ہے جو مسلمانوں کے اسلامی تشخص و امتیاز کو ختم کر دے گا، اور ایسی نسل تیار کرے گا جس کی صورت مسلمانوں جیسی ہوگی۔ لیکن سوچ غیر اسلامی، وہ اپنے مظاہر میں تو آزاد ہوں گے، لیکن فکری اور ذہنی اعتبار سے وہ مغرب کے غلام ہوں گے، لیکن یہ اسلامی دعوت کی کرشمہ سازی تھی کہ معاملہ اس کے برعکس ہوا، اور موجودہ نسل بظاہر تو مغرب زدہ نظر آئی لیکن اس کا دل اسلام کی محبت سے لبریز اور اس کا دماغ اسلامی افکار و نظریات سے آباد رہا، یورپ جانے والا دیکھ سکتا ہے، ایسے علاقوں میں جہاں پہلے ایک مسجد نہیں تھی کثرت سے مساجد، اسلامک سنٹر، اسلامی لائبریری وجود میں آرہی ہیں، اسی طرح اخبار و مجلات سے معلوم ہو رہا ہے کہ علمی حلقوں میں اسلام کی مقبولیت بڑھ رہی ہے اور اسلام مخالف عناصر بھی اسلام کو گلے لگا رہے ہیں۔

کسی دشمن کا اسلامی ملک پر قبضہ کرنا یا میدان جنگ میں مسلمانوں کا شکست کھانا ایک وقتی معاملہ ہوتا ہے، اسلامی تاریخ میں ایسے متعدد واقعات ہیں لیکن دل و دماغ، احساسات و جذبات یہی وہ چیزیں ہیں جو حالات کے رخ کو بدل دیتی ہیں یورپ نے اس حقیقت کو سامراجی عہد میں سمجھ لیا تھا، اس نے ایسی پالیسی کو عسکری فتوحات کے مقابلے میں ثقافتی و فکری فتوحات کی طرف موڑ دیا تھا، جس میں ان کو ایک حد تک کامیابی بھی ملی، یورپ سامراجی عہد کے بعد سے اسی پالیسی پر عامل تھا، لیکن اخیر دور کے واقعات پھر اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ یورپ دوبارہ کھلی سامراجیت کی پالیسی کو آزمانا چاہتا ہے، یہ فکر اور یہ خیال اس ناکامی کا نتیجہ ہے جو یورپ کو عالم اسلام کے مزاج کو بدلنے میں ہوئی، اس کے اشارات امریکہ اور برطانیہ کی کاروائیوں سے مل رہے ہیں، جس کا مظاہرہ افغانستان اور عراق میں ہوا، یہ ایک نیا رجحان ہے جو اس وقت سامنے آرہا ہے، اور بغیر کسی اشتعال انگیزی کے پوری حکمت و بصیرت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا مسلم دانشوروں کی ذمہ داری ہے، اور مسلمان داعیوں اور عالموں کی معنویت کو بڑھانا ہوگا، اور موجودہ حالات میں بڑی دور اندیشی اور سوجھ بوجھ سے مسائل کو حل کرنے کے لئے بہتر سے بہتر طریقہ اختیار کرنا ہوگا، اور اسلام کو حکمت و دانائی کے ساتھ پیش کر کے جدید مسائل کو آپسی تعاون، باہمی اتحاد و اتفاق اور غور خوض کے ساتھ حل کرنا ہوگا، مسلم ملکوں کے اہل دانش و سیاست کو اس خطرہ کو سمجھنا چاہئے، اور اس کے لئے اپنی جغرافیائی حد بندیوں سے آزاد ہو کر صرف ملی حدود میں رہ کر فکر کرنی ہوگی، ورنہ ان کی آزادی خطرہ میں پڑ جائے گی۔

+++

حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دلآویز و فکر انگیز مضامین کا مجموعہ۔

نقوش سیرت

جلد ہی منظر عام پر آرہا ہے
ایک ایسا مجموعہ مضامین

جس کے مطالعہ سے انشاء اللہ سیرت رسول سے رہنمائی اور روشنی حاصل کرنے کی ترغیب پیدا ہوگی۔

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء و صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ)

پیش لفظ
مولانا واضح رشید ندوی کے قلم سے

ناشر:
مولانا ابوالحسن علی ندوی سنٹر
ملّے پلی، حیدرآباد (اے پی)
صفحات: ۱۸۲

قرآن مجید — ایک معجزہ

مولانا عبداللہ عباس ندوی کی تصنیف کا ایک غیر مطبوعہ باب

قرآن کریم ہمارے عقیدے اور عالمی انصاف و صداقت کے پیمانہ پر ایک اہم ترین معجزہ ہے مگر دشمنان دین روز اول سے اس کے در پے آزار رہے اور اس کو کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا من گڑھت ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے، قرآن کریم نے اس کے جواب میں بار بار اور متنوع انداز میں اعادہ کیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

قرآن نے پہلے تو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا اور اس درجہ طاقتور انداز میں متوجہ کیا کہ یہ چیلنج بن گیا، اس کے بعد متفرق انداز میں ماضی میں جو واقعات پیش آچکے ہیں ان کی صحیح تصویر جو قرآن سے پہلے کسی آسمانی کتاب میں اس درجہ جچے تلے الفاظ میں بیان نہیں کیا۔ ضرورت سے نہ ایک لفظ زیادہ اور نہ کم، اور نہ وہ غیر متعلق بات جس سے ہدایت و ارشاد یا احکام اور عبرت بخشی کا کام نہ لیا جا سکتا ہو۔

اسی طرح قرآن کریم کی وہ سورتیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں ان کی ابتداء میں یہ بیان ہے کہ قرآن کریم وحی الٰہی اور منزل من اللہ ہے، مثلاً ملاحظہ ہو:-

(۱) سورۃ البقرہ:

الٓمٓ ☆ ذلك الكتاب لا ريب فيه (آیت ۱، ۲، ۳)

"الٓمٓ۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں"

(۲) سورۃ آل عمران:

الٓمٓ ☆ الله لا اله الا هو الحي القيوم نزّل عليك الكتاب بالحق (آیت ۱، ۲، ۳)

"اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی قابل معبود بنانے کے نہیں، اور وہ زندہ (جاوید) ہیں، سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس قرآن بھیجا ہے واقعیت کے ساتھ"

(۳) سورۃ الاعراف:

المٓصٓ ☆ كتاب أنزل اليك فلا يكن في صدرك حرج منه لتنذر به و ذكرىٰ للمومنين (آیت ۱، ۲)

"یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں، سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہونی چاہئے اور یہ نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے"

(۴) سورہ یونس:

الر ☆ تلك آيات الكتاب الحكيم (آیت ۱)

"یہ پُر حکمت کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں"

(۴) سورۃ ھود:

الٓرٰ ☆ كتاب احكمت آياته ثم فصلت من لدن حكيم خبير (آیت ۱)

"(الٓرٰ) کے معنی تو اللہ کو معلوم یہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں (دلائل سے) محکم کی گئی ہیں، (پھر اس کے ساتھ) صاف صاف (بھی) بیان کی گئی ہیں (وہ کتاب ایسی ہے کہ) ایک حکیم یا باخبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہے"

(۶) سورۃ یوسف:

الٓرٰ ☆ تلك آيات الكتاب المبين، إنا أنزلناه قرآنا عربيا لعلكم تعقلون (آیت ۱، ۲)

"الٓرٰ، یہ آیتیں ہیں، ایک کتاب واضح کی، ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی (زبان کا) تاکہ تم سمجھو"

(۷) سورۃ الرعد:

الٓمٓرٰ ☆ تلك آيات الكتاب والذى أنزل اليك من ربك الحق (آیت ۱)

"الٓمٓرٰ، یہ (جو آپ سن رہے ہیں) آیتیں ہیں (ایک بڑی) کتاب (یعنی قرآن) کی اور جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے بالکل سچ ہے"

(۸) سورہ ابراہیم:

الٓرٰ ☆ كتاب انزلناه اليك لتخرج الناس من الظلمات إلى النور (آیت ۱)

"الٓرٰ، یہ (قرآن) کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل فرمایا ہے تاکہ آپ تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں"

(۹) سورۃ الحجر:

الٓرٰ ☆ تلك آيات الكتاب وقرآن مبين (آیت ۱)

"الٓرٰ، یہ آیتیں ہیں ایک (کامل) کتاب اور قرآن واضح کی"

(۱۰) سورہ مریم:

كٓهيٰعٓصٓ ☆ ذكر رحمة ربك عبده زكريا (آیت ۱، ۲)

"کٓہیٰعٓصٓ، یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ زکریا پر"

(۱۱) سورۃ طٰہٰ:

طٰہٰ☆ ما انزلنا علیك القرآن لتشقی (آیت ۱،۲)

"طٰہٰ (کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن (مجید) اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں"

(۱۲) سورۃ الشعراء:

طسٓمٓ☆ تلك آیات الكتاب المبین (آیت ۱،۲)

"طسم، یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں"

(۱۳) سورۃ النمل:

طسٓ☆ تلك آیات القرآن وكتاب مبین (آیت ۱)

"طس، یہ (آیتیں جو آپ پر نازل کی جاتی ہیں) آیتیں ہیں قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی"

(۱۴) سورۃ القصص:

طسٓمٓ☆ تلك آیت الكتاب المبین (آیت ۱،۲)

"طسم، یہ (مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں"

(۱۵) سورۃ لقمان:

الٓمٓ☆ تلك آیات الكتاب الحكیم (آیت ۱،۲)

"الم، یہ آیتیں ایک پرحکمت کتاب کی ہیں"

(۱۶) سورۃ السجدہ:

الٓمٓ☆ تنزیل الكتاب لاریب فیه من رب العالمین (آیت ۱،۲)

"الم، یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے"

(۱۷) سورہ یٰسین:

یٰسٓ☆ والقرآن الحكیم انك لمن المرسلین (آیت ۱،۲،۳)

(یٰس، قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بیشک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں"

(۱۸) سورہ ص:

صٓ☆ والقرآن ذی الذكر (آیت ۱)

"ص، قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پُر ہے"

(۱۹) سورۃ المؤمن:

حٰمٓ☆ تنزیل الكتاب من الله العزیز العلیم (آیت ۱،۲)

"حٰم، (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے"

(۲۰) سورہ فصلت (حم السجدہ)

حٰمٓ☆ تنزیل من الرحمن الرحیم، كتاب فصلت آیاته قرآنا عربیا لقوم یعلمون (آیت ۱،۲،۳)

"حٰم، یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے، یہ ایک کتاب جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی زبان میں ہے، ایسے لوگوں کے لئے (نافع) ہے جو دانشمند ہیں"

(۲۱) سورۃ الشوریٰ:

حٰمٓ، عٓسٓقٓ، كذلك یوحی الیك والی الذین من قبلك الله العزیز الحكیم (آیت ۱،۲،۳)

"حٰم، عٓسٓقٓ، اسی طرح آپ پر اور جو (پیغمبر) آپ سے پہلے ہو چکے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے جو زبردست حکمت والا ہے (دوسری سورتوں اور کتابوں کی) وحی بھیجتا رہا ہے"

(۲۲) سورۃ الزخرف:

حٰمٓ☆ والكتاب المبین إنا جعلناه قرآنا عربیا لعلكم تعقلون (آیت ۱،۲،۳)

"حٰم، قسم ہے اس کتاب واضح کی، کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا، تاکہ (اے عرب) تم (آسانی سے) سمجھ لو"

(۲۳) سورۃ الدخان:

حٰمٓ☆ والكتاب المبین إنا أنزلناه فی لیلة مباركة إنا كنا منذرین (آیت ۱،۲،۳)

"حٰم، قسم ہے اس کتاب واضح کی، کہ ہم نے اس کو (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) ایک بڑی برکت والی رات (یعنی شب قدر) میں اتارا ہے ہم آگاہ کرنے والے تھے"

(۲۴) سورۃ الجاثیہ:

حٰمٓ☆ تنزیل الكتاب من الله العزیز الحكیم (آیت ۱،۲)

"حٰم، یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے"

(۲۵) سورۃ الاحقاف:

حٰمٓ☆ تنزیل الكتاب من الله العزیز الحكیم (آیت ۱،۲)

"حٰم، یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے"

(۲۶) سورۃ ق:

قٓ☆ والقرآن المجید (آیت ۱)

"ق، قسم ہے قرآن مجید کی"

معاندین قرآن نے چند شبہات کا اظہار کیا ہے، ان میں ایک یہ ہے کہ عرب کے ماہرین ادب اور شعراء نے اس چیلنج کو قابل اہمیت ہی نہ سمجھا ہوگا کہ جواب دیتے۔

دوسرا شبہ یہ ظاہر کیا گیا کہ ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے خوف سے انہوں نے ایسا نہ کیا ہو۔

تیسرا شبہ یہ کہ ممکن ہے عربوں نے اس کا جواب دیا ہو مگر مسلمانوں نے اس کو چھپا دیا ہو، ضائع کر دیا ہو، یہ شبہات وہ ہیں جن کا اظہار مختلف پیرایوں میں مستشرقین نے کیا ہے، پہلا شبہ یہ کہ

عربوں نے اسے قابل اہمیت ہی نہ سمجھا ہو اس لئے باطل ہے کہ کفار عرب نے پہلے دن ہی سے اسلام اور مسلمانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کر دی تھی رسول ﷺ پر ان کا الزام تھا کہ آپ نے ان کے آباء و اجداد کے مذہب کو باطل قرار دیا، ان کے بتوں اور دیوتاؤں کو حقیر پتھر کے ٹکڑے کہا ان کی وجہ سے ان کے سماجی ڈھانچہ کو نقصان پہونچا، ان کفار نے ہر مورچے پر آپ کا مقابلہ کیا، جب تک ان کا بس چلا ہر طرح سے دعوت دین کو روکنے کو کوشش کی، آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے، پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈالدی، آپ کا اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کا معاشرتی مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کیا، آپ کو قتل کرنے والے کے لئے ۱۰۰ اونٹ کا انعام مقرر کیا، جنگ ہوئی، اس میں اپنے ہونہار سپوتوں کو قربان کیا، ان کے لئے یہ بہت آسان راستہ تھا، کہ ایک "سورۃ" ایسی بنا لیتے اور دنیا کو دکھا دیتے کہ قرآن کوئی اللہ کی نازل کردہ کتاب نہیں ہے بلکہ محمد ﷺ کی تصنیف کردہ عبارتیں ہیں، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم بھی ایسا کلام پیش کر سکتے ہیں، اس طرح پہلے ہی مرحلہ میں وہ بنوت محمد یہ کو ختم کر سکتے تھے، اور جنگ و جدال، مکر و سازش اور رات دن کی کوفت سے محفوظ ہو جاتے، اگر وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کو ناقابل اعتناء سمجھتے اور قرآن کے چیلنج کو ایک بادہوائی سمجھتے تو پھر اس کی کوشش کیوں کرتے کہ کوئی شخص آپ ﷺ سے ملنے نہ پائے اور حج کے موقع پر قبائل عرب کے آئے ہوئے وفود قرآن سننے نہ پائیں۔

ابن مغیرہ کا واقعہ مشہور ہے کہ سرداران قریش اس کے پاس گئے اور کہا کہ حج کا زمانہ آرہا ہے، لوگ اطراف و اکناف سے آئیں گے اور اس شخص (یعنی رسول ﷺ) کی دعوت کا قصہ ہر جگہ پہونچ چکا ہے، وہ لوگ اس کے بارے میں ہماری رائے معلوم کرنا چاہیں گے لہذا ابھی سے طے کر لینا چاہئے کہ ان قبائلی عربوں کو کیا جواب دیں گے؟

سرداروں میں سے ایک نے کہا کہ آسان جواب ہے ہم کہدیں گے کہ ہمارے خاندان کا ایک فرد ہے جو پاگل ہو گیا ہے، اپنی جان اپنے ہاتھوں ضائع کر رہا ہے، ابن المغیرہ نے کہا کہ لوگ صرف ہماری باتوں پر یقین نہیں کریں گے، اس شخص (یعنی رسول ﷺ) سے ضرور ملیں گے، اور اس کی (آپ کی) صاف ستھری بے لچک باتیں سنیں گے تو وہ سب ہمیں کو جھوٹا پائیں گے، لوگوں نے کہا تو اچھا ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے مغیرہ نے کہا کہ جس سے یہ بات کہی جائے گی وہ بھی تو عرب نژاد ہوں گے، شاعری سے واقف ہوں گے، ان میں خود کئی شاعر ہوں گے، وہ قرآن سن کر اس کو کس طرح شعر مانیں گے، ہمیں جھوٹا تسلیم کریں گے، لوگوں نے کہا کہ تو پھر ہم یہ کہیں گے کہ یہ "کاہن" ہے، مغیرہ نے کہا کہ یہ اور برا ہوگا کاہنوں کے وہ اقوال جن میں مقفع عبارت میں کوئی پیشن گوئی ہوتی ہے، اور محمد ﷺ کے کلام (یعنی قرآن) دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے، ایسی بات کرو جو کوئی مان سکے یہ کہہ کر ابن المغیرہ اپنے گھر واپس گئے، ادھر سرداران قریش نے یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے میاں خود بے دین ہو گئے ہیں، اس لئے کہ جو تجویز بھی ہم لوگوں نے پیش کی وہ اس کی مخالفت کرتے رہے، اور بغیر کسی فیصلہ کے گھر واپس گئے، یہ بات جب ابن المغیرہ کے چچازاد بھائی ابوجہل بن ہشام بن المغیرہ نے سنی تو کہا ٹھہرو، میں تمہاری طرف سے اس کو (یعنی اپنے چچا زاد بھائی مغیرہ کو) سمجھ لوں گا، روایت ہے کہ ابوجہل مغموم و محزون شکل بنائے ابن المغیرہ کے پاس گئے، اس نے پوچھا برادر زادے آپ کو کیا ہوا، کیا آپ کو مال و دولت طلب ہے، قریش نے طے کیا کہ آپس میں چندہ جمع کر کے آپ کو ایک رقم صدقہ کے طور پر دیں کہ آپ اپنے پڑھاپے میں کسی اور کے محتاج نہ ہوں۔

ابن المغیرہ نے کہا، کیا میں قریش میں سب سے زیادہ مالدار نہیں ہوں؟ ابوجہل نے کہا: ہاں ضرور، مگر ان لوگوں کا خیال ہے کہ تم دین کی راہ سے اس لئے پھر گئے ہو تا کہ محمد اور ان کے دسترخوان سے تم کو کچھ ٹکڑے مل جائیں، مغیرہ نے کہا: یہ بھی خوب رہی ان بے چاروں کے پاس اتنا بھی نہیں کہ اپنا پیٹ بھر سکیں، ان کے پاس اتنا کہاں سے آیا کہ ان کے کھانے سے کچھ بچے، ابن المغیرہ پھر قریش کے سرداروں کے پاس گئے، اور کہا کہ تم سمجھتے ہو کہ میں نے محمد (ﷺ) کا مذہب اختیار کر لیا ہے اور اپنے آبائی مذہب سے نکل گیا ہوں، بخدا ایسا نہیں ہے، تم لوگوں نے کہا کہ اس کے (یعنی آپ کے) متعلق کہو گے کہ وہ مجنون ہے، یہ بات کون مانے گا، میرے سامنے کا بچہ ہے، بچپن سے دیکھتا آرہا ہوں، اس سے کب جنون کی حرکت سرزد ہوئی ہے؟ تم کہتے ہو کہ وہ شاعر ہے حالانکہ خود تم میں سے کئی شاعر ہیں بتاؤ کہ محمد (ﷺ) جو (قرآن) سناتے ہیں اس میں کوئی شعر ہے، بات ایسی کرو جو عقل میں آئے اور لوگ تسلیم کر سکیں، تم کہتے ہو کہ مشہور کر دیں گے کہ وہ کاہن ہے، کاہن بے تکی پیشن گوئی کرتے ہیں، اور محمد (ﷺ) نے جب بھی کوئی بات مستقبل سے متعلق کہی تو انشاء اللہ کہا، تم نے کسی کاہن کو انشاء اللہ کہتے سنا ہے؟ لوگوں نے کہا! اچھا آپ ہی بتائیں ہم اس (یعنی محمد ﷺ) کے متعلق کیا کہیں؟

مغیرہ نے کہا ایک ہی بات چل سکتی ہے، مشہور کریں کہ یہ "ساحر" ہے، جس کی وجہ سے ہمارے خاندانوں میں اختلاف ہو گئے ہیں، باپ بیٹے میں لڑائی ہو گئی ہے، بیٹا بے دین ہو گیا، (صابی) بیوی بے دین ہو گئی اور اس گھرانے میں

تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو

حضرت قاری محمد طیب صاحب

نبی اکرمؐ شفیع اعظمؐ، دکھے دلوں کا پیام لے لو

تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو

شکستہ کشتی ہے تیز دھارا نظر سے روپوش ہے کنارا

نہیں کوئی ناخدا ہمارا، خبر تو عالی مقام لے لو

عجیب مشکل میں کارواں ہے نہ کوئی جادہ نہ پاسباں ہے

بشکل رہبر چھپے ہیں رہزن، اٹھو ذرا انتقام لے لو

قدم قدم پہ ہے خوف رہزن، زمیں بھی دشمن فلک بھی دشمن

زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن، تمہیں محبت سے کام لے لو

کبھی تقاضا وفا کا ہم سے، کبھی مذاقِ جفا ہے ہم سے

تمام دنیا خفا ہے ہم سے، خبر تو خیر الانام لے لو

یہ کیسی منزل پہ آگئے ہیں، نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے

تم اپنے دامن میں آج آقا تمام اپنے غلام لے لو

یہ دل میں ارماں ہے اپنے طیبؔ مزار اقدس پہ جا کے اک دن

سناؤں ان کو میں حال دل کا کہوں میں ان سے سلام لے لو

بھائی بھائی سے جدا ہوگیا یہ اس سحر کا کارنامہ ہے جس کو وہ پڑھا کرتا ہے، یہی تجویز بالآخر پاس ہوگئی اس روایت کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر سرداران قریش اور ادبائے عرب اور اس علاقے کے شعراء میں سے کوئی چند آیتیں قرآن کے مانند بنا سکتا تو کس لئے اتنا خلجان مول لیتا، سیدھے سیدھے کہہ دیتا کہ یہ شخص (رسول ﷺ) دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، اور اس جیسا کلام کوئی پیش نہیں کرسکتا اور یہ سنو! ہم نے بالکل اسی رنگ میں اور اسی انداز میں نثر و نظم لکھی ہے، مگر ایسا نہیں ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قرآن کا چیلنج قبول کرنے سے عاجز و قاصر تھے، دوسرا شبہ یہ ہے کہ عرب قرآن کے جیسا کلام گڑھ سکتے تھے مگر مسلمان کے خوف سے انہوں نے ایسا نہیں کیا، یہ بات جرمن مستشرق نولد یکے نے بڑے وثوق سے کہی ہے، مگر یہ بات اس لئے غلط ہے کہ یہ تمام آیتیں جن میں چیلنج ہے سب مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں، اور مکی زندگی میں آپ ﷺ اور آپؐ کے آل و اصحاب انتہائی کسمپرسی اور بے چارگی کے عالم میں تھے، سرداران قریش آپؐ سے کیا ڈرتے آپ کا تو سوشل بائیکاٹ کردیا تھا، تمام عرب قبائل کو آپ کی دشمنی پر کمربستہ کرلیا تھا، وہ کیوں ڈرتے بلکہ خود آپ ﷺ کو اور آپؐ کے اصحاب کو ان کفار کی سازشوں اور دشمنی کا ڈر تھا، تیسرا شبہ یہ ہے کہ عربوں نے قرآن کے مقابلہ میں اس طرح کا کلام بنایا ہوگا مگر مسلمانوں نے ان کو پھیلنے نہیں دیا ہوگا۔

عالمی منظر نامہ

قوموں کا کھیل

ایک امریکی ڈرامہ جو پچاس سال سے جاری ہے

(قسط ۲)

مولانا نذر الحفیظ ندوی

امریکہ اور صدام کے درمیان تعلقات اور رشتوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ نے دوسری جنگ عظیم کے بعد عالم عربی پر ایسے لوگ مسلط کئے جو اس کی پالیسی کی تنفیذ کریں لیکن بظاہر وہ امریکہ مخالف ہوں، جیسا کہ امریکی سی آئی اے کے ایک ایجنٹ مائلز کو پلینڈ نے اپنی مشہور کتاب The games of Nation میں اس کا انکشاف کیا ہے کہ مصری صدر جمال عبد الناصر دراصل امریکی ایجنٹ تھے، مصری روزنامہ "الاھرام" کے چیف ایڈیٹر حسنین ہیکل کے ذریعہ قاہرہ میں متعین امریکی سفیر سے ان کی ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں، مائلز نے لکھا ہے کہ جب بھی صدر جمال عبد الناصر کو عوام سے خطاب کرنا ہوتا تو سب سے پہلے امریکی سفیر سے تبادلہ خیال کیا جاتا، ان ملاقاتوں میں تحریری اور زبانی دونوں طرح سے جمال عبد الناصر کو ہدایات دی جاتیں کہ وہ کس حد تک امریکہ پر تنقید کرسکتے ہیں اور اس کی کن پالیسوں کو نشانہ بنا سکتے ہیں، اسی طرح جمال عبد الناصر کی عوامی مقبولیت میں اضافہ کرنے کے لئے سازشیں اور منصوبے تیار کر کے دیئے جاتے تاکہ ان کو بہانہ بنا کر اخوان کے خلاف اقدامات کئے جائیں، مائلز نے لکھا ہے کہ منشیۃ البکری اور اسکندریہ کے جلسوں میں جمال عبد الناصر پر حملوں کے ڈرامے تیار کئے گئے، ان دنوں واقعات کو بنیاد بنا کر ایک رات میں پورے مصر سے پچاس ہزار اخوانیوں کو گرفتار کرلیا گیا تھا، امریکی جمال نے جس درندگی اور سفاکی سے اخوانیوں کو تہ بیغ کیا وہ ایک تاریخ بن چکی ہے۔

کچھ ایسا ہی معاملہ شامی وزیر دفاع حافظ الاسد کے ساتھ ہوا جنھوں نے منصوبہ بندی سے گولان کی پہاڑیوں کو اسرائیل کے سپرد کردیا تاکہ صدارت کے منصب پر تاحیات فائز رہ سکیں، یہودی جاسوس ایلین کوہین نے اس سلسلہ میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا تھا، اس کا یہ قصہ مشہور ہے کہ اس نے برازیل میں عرب مہاجر کی حیثیت سے اپنا تعارف وہاں کے مہاجر شامیوں اور مصریوں کے درمیان کرایا، پھر امپورٹ اکسپورٹ کا دفتر کھول کر عالم عربی سے تجارت کرنے لگا، جب اس کے تعارف کا دائرہ عرب سفارت خانوں خصوصاً شامی سفیر کے ساتھ خصوصی تعلق کی صورت میں ہوگیا تو اس نے ایک دفتر دمشق میں بھی کھول دیا، یہاں اس کے دوستوں میں شامل وزارت دفاع، وزارت خارجہ، اور وزارت داخلہ کے اعلیٰ افسران تھے جو دوسرے تیسرے دن کسی شاندار پارٹی میں مدعو ہوتے، یہاں انھیں قیمتی تحائف ملتے، اسی کے ساتھ شراب و شباب سے بھی ان کو مستفید کیا جاتا یہاں تک کہ ایلین کوہین اور اس کے بھائی وزارت دفاع میں اعلیٰ عہدوں تک پہنچ گئے، حتیٰ کہ وزارت دفاع کے اعلیٰ افسران خفیہ فائلوں سے ایلین کوہین کو باخبر کرنے لگے، شامی وزارت دفاع کے منصب پر فائز حافظ الاسد ان کے قبضہ میں آگئے، پھر جب اسرائیل نے حملہ کیا تو گولان کی پہاڑیوں پر متعین شامی فوج کی سپلائی لائن یہ کہکر کاٹ دی گئی کہ دشمن کا قبضہ گولان پر ہو گیا ہے، ۱۹۶۷ء کی مصنوعی جنگ میں بغیر لڑے بھڑے اسرائیل کو تحفہ کے طور پر گولان کو چاندی کی تھالی میں سجا کر پیش کردیا گیا، سقوط گولان کے موضوع پر دستاویزی کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں شامی فوجیوں کے بیانات اور شہادتیں دلائل کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں اور اب یہ راز کی بات نہیں رہی کہ شام ہمیشہ اسرائیل سے گولان کے مسئلہ پر بات کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس کے پس پردہ یہی راز کارفرما ہے، اب بھی شام کو امریکہ کے مخالف کی حیثیت سے یہودی میڈیا پیش کرتا ہے کہ اس طرز کے پروپیگنڈہ سے بشار الاسد و (حافظ الاسد کے لڑکے) کو عوام میں مقبولیت حاصل ہوگی، دوسری طرف جمال عبد الناصر کی طرح اس کے ذریعہ دینی عناصر کو دبانے بلکہ ان کو کلی طور سے ختم کرنے کا کام لیا جائے گا۔

اسی طرح سابق اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا مائر کے داماد اور وہائٹ ہاؤس کے پوپ کی طرف سے تمغۂ تبلیغ پانے والے میشیل عقلق نے پیرس کے دوران قیام شامی و عراقی طلبہ سے ۱۹۵۳ء میں تعلقات قائم کئے، پھر وہ ایک مفکر و ادیب کی حیثیت سے دمشق آگیا جہاں "البعث العربی الاشتراکی" نامی تنظیم کی اس نے بنیاد ڈالی، مصر و عراق و شام کے نوجوان اس کے ممبر بنے، اور چند سال کے اندر یہ لوگ حکومت کے درو بست پر حاوی ہوگئے، اور انھوں نے چن چن کر اپنے مخالفین کو ٹھکانے لگانا شروع کردیا، ۱۹۵۹ء میں نوری السعید اور فیصل کے قتل کے بعد عراق میں بعثیوں کی طاقت بڑھ گئی، عبد الکریم قاسم، احمد حسن البکر اور صدام حسین نے بھی میشیل عقلق کو عراق آنے کی دعوت دی اور ان کی غیر معمولی پذیرائی کی، پھر اس کے ذریعہ سارے معاملات امریکی و برطانوی سفارت خانوں سے طے ہوتے رہے، درمیان میں مزید تعاون مستحکم کرنے

کے لئے جارجیا کے مسیحی مبلغ ڈاکٹر طارق حنا عزیز کو عراق بلایا گیا، پھر انھیں اتنی ترقی دی گئی کہ وہ نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ بن گئے، بین الاقوامی کانفرنسوں سے لیکر امریکی ذمہ داروں سے خصوصی ملاقات تک کے لئے ان ہی کو نامزد کیا جاتا رہا، میشیل عفلق اور ڈاکٹر طارق حنا عزیز نے مل کر حکومت کے کلیدی عہدوں پر عیسائیوں اور یہودیوں کو پہونچادیا، یہ بات اب راز نہیں رہی کہ ان ہی لوگوں نے اسرائیل تک عراقی ایٹمی ریکٹر کے نقشے پہونچا دئے، پھر طارق عزیز ہی کے ذریعہ خمینی کے ایران کو ختم کرنے اور عراق کی طاقت کو ملیامیٹ کرنے کے لئے باہم ایک دوسرے پر یورش کی دعوت دی گئی، اس طرح امریکہ اور اسرائیل کے اسلحہ کے کارخانوں کو دونوں ملکوں سے پٹرول کی دولت ملتی رہی، تیسری طرف دونوں مسلم ملکوں کی انسانی آبادی تباہ و برباد ہوتی رہی، اسی دور میں امریکہ صدام اور ایران دونوں کی سرپرستی کرتا رہا، موجودہ امریکی وزیر دفاع رمسفیلڈ کو امریکی صدر رونالڈ ریگن نے اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر عراق بھیجا، رمسفیلڈ ہی کے مشورے سے عراق نے کیمیکل گیس کے کارخانے بنائے اور سب سے پہلے ایرانیوں پھر عراقی کردوں کے خلاف استعمال کئے، لیکن چونکہ امریکہ ہمیشہ اپنے مفاد ہی کو ترجیح دیتا رہا ہے اس لئے صدام کی طرف سے اس نے آنکھیں بند کر لیں، ۱۹۸۳ء میں امریکہ میں مقیم عراقی مخالفین نے صدام کے خلاف غیر معمولی مہم چلائی، عراقیوں کے خلاف صدام کے ظلم وستم کی ٹھوس دستاویزات مہیا کیں، لیکن چونکہ امریکی صدر بش اور ریگن دونوں کے ذاتی تعلقات صدام سے تھے اور تجارتی مفاد بھی وابستہ تھے اس لئے یہودی میڈیا نے ان خبروں کو دبا دیا۔

جیسا کہ اس سے پہلے ان ہی صفحات میں امریکی میڈیا کے حوالے سے یہ بات آچکی ہے کہ صدام مشرق وسطی میں امریکہ کی ضرورت ہے بغیر اس کے امریکہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا اگر صدام نہ ملتا تو امریکہ دوسرا صدام ایجاد کرتا، ابھی حال ہی میں مشہور خبر رساں ایجنسی رائٹر نے صدام اور امریکہ کے عنوان سے ایک جائزہ شائع کیا ہے، اس میں بھی اس نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ صدام ہمیشہ شریر اور بدمعاش نہیں رہے، امریکی صدور سے ان کے ذاتی ہی نہیں تجارتی تعلقات رہے ہیں ریگن کے اشارے پر صدام کو ذاتی طور پر کئی کروڑ کی تجارتی ضمانت مہیا کی گئی، زرعی قرضے دیئے گئے، لیکن جب امریکی کانگریس نے عراق کے خلاف پابندی لگانے کا ارادہ کیا کہ اس نے کردوں پر کیمیائی گیس کی بارش کی تھی اور ایک لاکھ بیس ہزار کردوں کو ہلاک کر دیا ہے، تو ریگن پھر آڑے آئے اور انھوں نے صدام کی زبردست حمایت کی اور کہا کہ ان سے امریکی مفاد وابستہ ہے، ایک طرف صدام کے ساتھ امریکی حکومت کے سربراہوں کی یہ پالیسی رہی تو دوسری طرف اس کے بالکل برعکس صدام کو پوری دنیا میں شر کا محور قرار دیا جاتا رہا، ایک امریکی مفکر ناعوم چومسکی کے بقول امریکی میڈیا نے چالیس فیصد امریکیوں کو یہ یقین دلایا کہ ۱۱ ستمبر کے حادثہ میں صدام حسین براہ راست ملوث ہے، ۱۹۷۲ء کے بعد سے ۱۹۹۲ء تک جو فلمیں اور ٹی وی سیریز امریکہ میں تیار کی گئیں ان میں عام طور سے عربوں کو اور صدام کو خاص طور سے امریکہ اور یہودی دشمن کے روپ میں پیش کیا گیا، خلیجی جنگ میں اتحادی فوجوں نے جب عراق پر حملہ کیا تو اس کو مذہبی رنگ دیا گیا، دوسری طرف صدام کو اسلام کا نمائندہ اور نجات دہندہ بتایا گیا، تیسری طرف طے شدہ پروگرام کے مطابق عراق پر بمباری کی گئی اس کے نقصانات کو یہودی میڈیا نے دکھانے کی زحمت نہیں کی اور یہ تاثر دیا کہ عراق کی فوجی طاقت محفوظ اور اس کے تیار کردہ جراثیمی ہتھیار کے ذخیرے بھی باقی ہیں۔

خلیجی جنگ ہی کے موقع پر پنٹاگن نے میڈیا پر کنٹرول بلکہ اس پر عملی اجارہ داری حاصل کر کے مخالف اور موافق خبروں کو مہیا کرنے کی ذمہ داری خود لے لی تھی، اس جنگ میں بھی اسی پالیسی پر عمل کیا گیا اور تمام رپورٹروں پر پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ پنٹاگن کی طرف سے مہیا کی ہوئی خبروں اور تصاویر ہی کو اپنے اخبارات کو بھیجیں گے، چنانچہ یہودی میڈیا عراقی جنگ کے مخالف اور موافق خبریں طے شدہ پروگرام کے مطابق پوری دنیا کو دیتا رہا، مشرقی ملکوں کو جو خبریں مہیا کی گئیں ان میں زیادہ تر خبریں ایسی تھیں جن کو پڑھ کر یا دیکھ کر امریکہ مخالف جذبات کو تسکین ہوتی تھی، عراقی ریپبلکن گارڈ سے مقابلہ کا ذکر ضرور ہوتا، لیکن اس کے برعکس خود امریکی ٹی وی چینلز خصوصاً سی این این اور فوکس نیوز نٹ ورکس نے امریکی فوجیوں کو بہادری سے لڑتے اور حب الوطنی کے گیت گاتے ہوئے دکھایا، عام طور پر امریکی عراق پر حملہ کے خلاف تھے، موافقت میں صرف یہودی لابی تھی، اسی لابی کے بیانات کو بار بار دکھایا جاتا، یہی حال امریکی روز ناموں کا تھا، ایک جائزہ کے مطابق اسی فیصدی قارئین نے جنگ کی مخالفت میں مضامین اور مراسلے لکھے لیکن اخبار واشنگٹن پوسٹ اور نیویارک ٹائمز نے ساٹھ فیصد اداریے اور کلیدی مقالے جنگ کی حمایت میں شائع کئے، سی این این نے ایک امریکی قیدی کو پیش کر کے اس کے خاندان کے لوگوں سے سوال کیا کہ یہ قیدی کیسا نظر آرہا ہے، قیدی کی بہن نے کہا کہ یہ تو اچھا خاصا صحتمند اور بے فکر دکھائی دے رہا ہے، اس جواب کی توقع اناؤنسر کو نہیں تھی، اس نے پھر دوسرے طریقہ سے سوال کیا تو جواب ملا کہ بظاہر تھکا ہوا دکھائی دے رہا ہے لیکن بڑا بہادر نظر آرہا ہے، اس پروگرام کے بعد ہی اس قیدی کے خاندان والوں نے اس بات

کی تردید کر دی کہ اس کے خاندان کا کوئی فوجی گرفتار ہوا ہے، اس طرح ایک ٹی وی پروگرام میں فوکس نیوز نٹ ورک نے دو امریکی فوجیوں کے عراقی فوجیوں کے ہاتھوں گولی سے ہلاک ہونے کی خبر دی لیکن دوسرے ہی دن اس خبر کی تردید آگئی۔

یہودی میڈیا سپر پاور کی بزدلی پر پردہ ڈالنے کے لئے صدام اور اس کی فوج کی طاقت کو افسانوی انداز میں مسلسل پیش کرتا رہا، خود صدام کی عوام میں غیر معمولی مقبولیت کے گن گاتا رہا، لیکن جب طے شدہ منصوبے کے مطابق گولان کی طرح بغداد کا سقوط ہو گیا تو یہ شہرت دی گئی کہ امریکی فوجی ماہرین کو شک ہے کہ صدام نے زیر زمین ہتھیار اور فوج چھپا رکھی ہے اور کسی وقت بھی وہ حملہ کر دیں گے یہ خبر بھی اس لئے دی گئی کہ صدام کی غیر معمولی طاقت کے بارے میں مسلمانوں کو خوش فہمی رہے اور مغربی دنیا کو صدام کی مکاری اور اس کے غیر معمولی فوجی طاقت اور کیمیائی گیس کے مالک ہونے کا یقین دلایا جاتا رہے، اب بھی جب کہ امریکہ جنگ ختم کرنے اور اس میں اپنے فاتح ہونے کا اعلان کر چکا ہے یہودی میڈیا یہی راگ الاپ رہا ہے کہ عراق کے پاس کیمیائی گیس اور تباہ کن میزائل ہیں اور صدام کا برآمد نہ ہونا امریکہ کے لئے دردسر ہے۔

یہودی میڈیا نے صدام کی جس غیر معمولی محبوبیت اور اس کے ریپبلکن گارڈ کی بھیانک طاقت کا پروپگنڈہ کیا بغداد کے دفاع میں اس کا کوئی کردار سامنے نہیں آیا اس لئے کہ یہ فوج تو صرف صدام کی حمایت اور اس کی طاقت کے مظاہرے کے لئے تھی، جب صدام کو امریکہ نے، طے شدہ منصوبہ کے مطابق غائب کر دیا تو اسکی فوج بھی منظر عام سے غائب ہوگئی، اب امریکہ کو ضرورت تھی کہ عراق کی آبادی کو جس طرح تہ تیغ کیا گیا ہے اس پر پردہ ڈالا جائے تا کہ اس کے کرتوت سے امریکہ و یورپ کے عوام واقف نہ ہوسکیں اور یہ نہ معلوم ہو کہ کتنی بے دردی سے اس کی بمباری ہوتی رہی اور لاکھوں لوگ مرتے اور ہزاروں معذور اور اپاہج ہوتے رہے، اس مقصد کے حصول کے لئے، صدام کے مجسموں کو توڑنے اور اس کے ظلم وستم سے نفرت کے مظاہر کو یہودی میڈیا نے دکھانا شروع کر دیا، دوسری طرف جیسا کہ خود عراقیوں کی شہادت ہے کہ عراقی جیلوں سے مجرموں کو نکال کر امریکی فوج کی رہنمائی میں سرکاری ڈپارٹمنٹل اسٹورس اور قومی عجائب گھر کو لوٹنے اور مختلف وزارتوں اور دانشگاہوں کو تباہ کرنے کے لئے انھیں استعمال کیا گیا، تا کہ صدام کی خفیہ پولس کے سیاہ کرتوت سے متعلق فائلیں اور شہادتیں غائب کرائی جائیں، بیشتر عراقی وزارتوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا لیکن عراقی وزارت پیٹرولیم کو ہاتھ تک کسی نے نہیں لگایا، عجائب گھروں میں جو تاریخی آثار تھے ان کا زیادہ تر تعلق مسیحی اور یہودی دور سے تھا ان سب کا چشم زدن میں غائب ہونا بجز امریکی رہزنی کے اور کیا کہا جاسکتا ہے، بعض نادر تصاویر اور تاریخی دستاویزات اردن کے کسٹم آفیسر نے امریکی و برطانوی صحافیوں کے پاس پکڑے، لیکن جو سفارتی تھیلوں اور پنٹاگن کے اڑن قلعوں (ہیلی کاپٹر) میں لیجائے گئے وہ کیسے دیکھے اور پکڑے جاسکتے تھے۔

عرب اخبارات کے ذریعہ جو خبریں آرہی ہیں فی الحال ان کے بین السطور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے منظم طریقہ سے عراق کو امریکی فوج کے حوالے کیا گیا ہے، اس کے دستاویزی ثبوت سی آئی اے کی طرف سے تیس سال کے بعد مہیا کئے جائیں گے، اس طرح جیسے جمال عبد الناصر اور ان سے پہلے مصطفیٰ کمال پاشا اور ان جیسے استعماری ایجنٹوں کے بارے میں کئے گئے ہیں، لیکن ہم ہندوستانی مسلمانوں کی یہ روایتی کمزوری سی ہوگئی ہے کہ جہاں کسی نے امریکہ کے خلاف بیان دینا اور اس کو للکارنا اور مکا دکھانا شروع کیا اور خود امریکہ نے بھی اس کی عظمت و تقدیس کے گن گانے شروع کر دیئے اور انھیں اپنے لئے چیلنج اور خطرناک بتانا شروع کیا ہم اس کو ہیرو بنا لیتے ہیں اور اس کے ستر ہزار خون معاف کر دیتے ہیں، مصطفی کمال پاشا کو عرصہ تک ہندوستانی علماء غازی کہتے رہے، اسی طرح جمال عبد الناصر کو تہجد گزار، امریکہ کے لئے سب سے بڑا چیلنج اور عرب قوم کا نجات دہندہ قرار دیتے رہے، پھر جب ایک مذہبی رہنما نے شاہی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور تمام مغربی ملکوں کو اس نے چیلنج دیا تو اس سحر سامری میں اچھے خاصے لوگ گرفتار ہوگئے یہاں تک کہ اپنا مسلک تک بدلنے کو لوگ تیار ہوگئے، ہماری یہی کمزوری حافظ الاسد اور صدام کے سلسلہ میں ظاہر ہوئی، حالانکہ ان دونوں کے ہاتھ لاکھوں مسلمانوں اور اپنے ہم وطنوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں، حافظ الاسد نے گولان کو اسرائیل کے سپرد کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ شام کے تین بڑے شہر حلب، حماہ اور حمص کے مسلمانوں کو بمباری کر کے تباہ و برباد کر دیا اور صدام نے ایک لاکھ ایکس ہزار کردوں کو کیمیائی گیس برسا کر ملیامیٹ کر دیا، پھر بھی صدام ہمارا محبوب بنا ہوا ہے اس لئے کہ اس نے امریکہ جیسی سپر پاور کو چیلنج دیا ہے، ہم اس پر ذرا بھی غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ آخر یہ خبریں ہمیں دیتا کون ہے، اور کون لوگ ان خبروں کے پردے میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ کس طرح ہمارے جذبات اور عقل سے کھیل رہے ہیں، (بغداد کا سقوط کیسے ہوا؟ صدام کے بعد عراق کس کروٹ بیٹھے گا؟ کیا امید کی کوئی کرن ہے؟ آئندہ ملاحظہ فرمائیں)

☆☆☆

صہیونیت

آنے والا مسیح کون، اور کس کے لئے؟

تحریر: عبدالعزیز مصطفیٰ کامل ——— ترجمانی: مولانا سید سلمان الحسینی ندوی

دنیائے انسانیت میں حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی شخصیت کے بارے میں جس قدر اختلافات پیدا ہوئے غالباً پوری تاریخ انسانی میں کسی کی بھی شخصیت کو اس صورتحال سے گذرنا نہ پڑا ہوگا، ان اختلافات نے قوموں، ملتوں اور مذہبوں کے درمیان بحث ومناظرہ کا ایک دروازہ کھول دیا، اور موجودہ دور میں ان کی شخصیت پھر ایک بڑے حلقہ میں شدت سے موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔

۱۔ ان میں سرفہرست وہ غالی عیسائی ہیں جو قریبی عرصہ میں حضرت عیسیٰ کے ظہور وآمد کے قائل ہیں، بلکہ ان کی آمد کے بارے میں ان کا شوق وجوش اس کی مدت کو کم کرنے اور جلد از جلد ان کی آمد کے انتظامات میں لگے ہیں، وہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ عیسیٰ مسیح کی ولادت کے ہزارہ سوم میں ان کی دوبارہ آمد ہوگی۔

۲۔ نمبر دو پر وہ یہودی ہیں، جو حضرت عیسیٰ کے منکر ہیں، وہ اپنے ''مسیح منتظر'' کے انتظار میں ہیں اور وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ ان کا مسیح بھی جلد ہی آئے گا۔

۳۔ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھالئے گئے تھے اور وہ قیامت سے پہلے نازل ہوں گے، اور اسلامی خلافت کو زندہ کریں گے، لیکن اکثر مسلمانوں کی دین سے دوری، غفلت اور جہالت سے یہ خطرہ لاحق ہے کہ اہل کتاب ذرائع ابلاغ کو زبردست طریقہ پر استعمال کر کے جب حضرت عیسیٰ کی آمد کا چرچہ کریں گے تو بہت سے مسلمانوں کے لئے اس میں فتنہ کے قوی امکانات ہوں گے۔

اسی لئے میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق معلومات کی امت کو آج سابقہ زمانوں کے مقابلہ میں زیادہ ضرورت ہے۔

عیسائیوں کے مسیح منتظر:۔

یہودیوں کے اپنے مسیح کے انتظار کا زمانہ عہد تورات سے شروع ہوتا ہے، اور عیسائیوں کے انتظار مسیح کا زمان عہد انجیل سے۔

ڈیورانٹ اپنی مشہور کتاب ''تہذیب کی کہانی'' میں لکھتا ہے

''ایک مشترک عقیدہ نے عیسائیوں کے درمیان وحدت پیدا کر رکھی ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں اور وہ حکومت الٰہی کے لئے دوبارہ آئیں گے، اور ان پر ایمان رکھنے والا آخرت کی ابدی نعمت حاصل کرے گا۔(۱)

عیسائیوں کی یہ اکثریت جس کے درمیان یہ مشترک عقیدہ رابطہ بنا ہوا ہے صرف اس عقیدہ کی قائل ہی نہیں ہے، بلکہ وہ اس عقیدہ کے ظہور کے لئے پوری سرگرمی سے کوشاں ہے، عیسائیوں کے بنیادی گروہ، کیتھولک، آرتھوڈکس اور پروٹسٹنٹ سب ہی عیسیٰ مسیح کی دوبارہ آمد پر یقین رکھتے ہیں اور تقریباً ایک صدی سے ہزارہ سوم کے سرے پر ان کی آمد کی تیاریوں میں لگے ہیں بالخصوص پروٹسٹنٹ اس معاملہ میں زیادہ پرجوش ہیں۔

مارٹن لوتھر نے جس وقت پروٹسٹنٹ تحریک کی بنیاد رکھی، اس وقت اس نے اس کی پرزور دعوت دی کہ تورات کو ہی ایمان کی اساس تسلیم کیا جائے، اور تورات میں کیونکہ آخری زمانہ میں ایک مسیح کی آمد کا ذکر ہے، لہٰذا لوتھر کے ماننے والوں نے اس کا مصداق عیسیٰ مسیح کو ٹھہرایا خاص طور پر اس لئے کہ اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب ماں کی طرف سے حضرت داؤد علیہ السلام سے جوڑتے ہیں اس طرح یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ مسیح کے بارے میں خلط ملط ہوگیا، تورات میں یہ آیا ہے کہ آخری ہزارہ سے پہلے ایک مسیح آئے گا اور وہ شہر قدس کے مرکز سے حکمرانی کرے گا، اور وہ ہیکل سلیمانی کو آباد کرے گا، ان تمام عقائد کو پروٹسٹنٹ نے اختیار کر رکھا ہے، اور ان کے عقائد میں مزید پختگی اس سے پیدا ہوگئی کہ انجیلیں بھی حضرت عیسیٰ کی بازآمد کے تذکرہ سے خالی نہیں، عیسائی اس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ تورات میں جس مسیح کا تذکرہ ہے وہ ابن مریم کے علاوہ یہودیوں کا کوئی مسیح ہے۔

تورات وانجیل میں مذکورہ اس عقیدہ کی بنیاد پر پروٹسٹنٹ اس پر غیر متزلزل یقین رکھتے ہیں اور اس پر بھی کہ وہ ہزارہ کے شروع میں آئے گا انہیں اس پر بھی یقین ہے کہ جو یہودی قدس میں جمع ہونگے وہ عیسیٰ مسیح کی آمد پر ان پر ایمان لائیں گے۔

امریکن رائٹر (لی اوبرین) کہتی ہے۔

''اکثر پروٹسٹنٹ اس پر متفق ہیں کہ حکومت اسرائیل کا قیام تورات کی پیشن گوئی کے عین مطابق ہے، اور یہودیوں کا اس سرزمین پر اکٹھا ہونا مسیح کی آمد سے پہلے ان کے عیسائیت قبول کرنے کی تمہید ہے۔''(۲)

۱۹۵۴ء میں جب ''ایونالٹون'' میں

عیسائی کلیساؤں کی عالمی کانفرنس کا انعقاد ہوا، تو یہودیوں کے کلیسا سے تعلق کے موضوع پر بحث وتحقیق کرنے والی کمیٹی نے ایک رپورٹ پیش کی تھی، اس میں کہا گیا تھا۔

''عیسائیوں کی مسیح کی بازآمد کے بارے میں امید کو اسرائیلی قوم کی امید سے الگ کر کے نہیں دیکھنا چاہئے، ہم نہ صرف ''عہد قدیم (Old Testament) میں واضح طور پر اس کو محسوس کرتے ہیں، بلکہ ہمیشہ اس قوم کے ساتھ خداوند کی مدد ونصرت بھی دیکھتے ہیں، اور ہم اس وقت تک چین وسکون سے نہیں بیٹھیں گے جب تک خداوند کی منتخب قوم مسیح کو بحیثیت بادشاہ کے تسلیم نہ کرے۔

اس کانفرنس میں پادریوں اور بشپ حضرات نے یہ بیان دیا تھا:

''ہمیں اس پر ایمان ہے کہ خدا نے اسرائیل کو انسانیت کی نجات کے لئے منتخب فرمایا ہے اور ہم بھی قدیم درخت اسرائیل کی شاخیں ہیں، عہد جدید کی نسلیں عہد قدیم کی منتخب قوم سے الگ نہیں ہوسکتیں، مسیح کی دوبارہ آمد کے لئے ہمارا انتظار در اصل یہودی قوم کے عیسائیت کو قبول کرنے کی ایک امید وآرزو ہے اور اس منتخب قوم سے ہماری محبت وتعلق کا غماز ہے۔ (۳)

اس محبت کے پیچھے کیا ہے؟

آپ کو شاید اس پر تعجب ہو کہ یہودیوں کے ساتھ عیسائیوں کی گرمجوشی اور پرخلوص محبت کیسے؟ اور کیوں؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ محض ایک فریب اور مغالطہ ہے، مغربی عیسائیوں کے پاس اپنا مفاد سب سے پہلے ہوتا ہے، ان کے نزدیک یہودی وہ پل ہیں جس پر سے انہیں اپنے دور عظمت کی طرف جانے کے لئے گذرنا ہے، ان کے نزدیک مسیح اس وقت تک نہیں آئیں گے جب تک یہودی فلسطین میں واپس نہیں آجاتے، قدس شہر میں سکونت نہیں اختیار کرتے، اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر نہیں کر لیتے، اور جب تک ان کا ''مسیح منتظر'' دنیا میں فساد وتباہی پھیلانے کے لئے نہیں نکلتا، پہلے یہ سب کچھ ہونا ہے، پھر عیسیٰ مسیح علیہ السلام آئیں گے، جو یہودیوں کے مسیح کو قتل کریں گے، اور دو تہائی یہودیوں کو ماریں گے، ایک تہائی یہودی باقی رہ جائیں گے جن کو عیسائی بنایا جائے گا۔

کیا عیسائی کسی اور ''مسیح'' کی آمد کے بھی قائل ہیں جو مسیح ابن مریم سے پہلے ظاہر ہوگا؟

جی ہاں! وہ اس کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسے (Anti Christ) مسیح کا حریف یعنی مسیح دجال کہتے ہیں!!

عیسائی اور مسیح دجال:۔

پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ایک ظالم کافر، سنگدل، سرکش دشمن حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آمد سے پہلے ظاہر ہوگا، اور وہ یہودی نسل سے ہوگا، اس کی ماں یہودی ہوگی، وہ اسرائیل کے شمال سے، یا متعین طور پر شام کے ''دان'' نامی یہودی قبیلہ سے ظاہر ہوگا اور اس کے لشکر پوری دنیا پر چھا جائیں گے، ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ شخص نیکی اور بزرگی کے دعویٰ کے ساتھ اٹھے گا اور نجات دہندہ مسیح کی شخصیت کا روپ دھارنے کی کوشش کرے گا پھر جلد ہی وہ الوہیت کا دعویٰ کر بیٹھے گا، اور لوگ اس کے ذریعہ خوارق عادت اور حیرت انگیز واقعات کے ظہور کے نتیجہ میں اس کو خدا ماننے لگیں گے، وہ مارنے، جلانے، بارش برسانے اور کھیتی اُگانے کے خدائی قدرت والے کارنامے دکھائے گا ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اس کے منبر پر چڑھے گا، اور روم میں پاپائیت کے مرکز کو ختم کردے گا، اور ایمان والوں کو سخت اذیتیں اور تکلیفیں دے گا یہاں تک کہ ان کی زندگی اجیرن ہوجائے گی، اس کے بعد خدا تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی اور مسیح ابن مریم نازل ہوں گے، جو اہل ایمان کی حفاظت کریں گے اور مسیح دجال کو قتل کریں گے، اور اس کے یہودی متبعین اور پیروکاروں اور یاجوج ماجوج کو ختم کریں گے، اس کے بعد وہ رب تعالیٰ کی حکومت قائم کریں گے، جس میں امن وسلامتی کا دور دورہ ہوگا۔

یہ عقائد مسیح دجال کے بارے میں عیسائیوں کے یہاں محفوظ چلے آرہے ہیں، اور یہ انبیائے کرام کی تعلیمات کا وہ خلاصہ ہے جس کو انہوں نے محفوظ رکھا، حضور ﷺ نے خود فرمایا کہ تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو دجال کے خطرہ سے آگاہ کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ حضرت آدم سے لے کر قیامت تک دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہ ہوگا، اور یہ فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو اور دجال تمہارے درمیان لازماً ظاہر ہوگا۔(۴)

حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ دجال یہودی ہوگا، اس کی ماں بھی یہودی ہوگی اور وہ ''یہودیہ'' نامی بستی سے ظاہر ہوگا، اس کے اکثر ماننے والے یہودی ہوں گے، وہ مکہ، مدینہ، قدس، علاقۂ طور کو چھوڑ کر باقی تمام علاقوں کو تاخت وتاراج کرے گا، اور یہ کہ اس کے ہاتھ پر خوارق عادت چیزیں ظاہر ہوں گی، اس کا فتنہ تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا۔ (۵)

بہرحال تقریباً یہی عقائد عیسائیوں کے ہیں۔ یعنی یہ کہ دجال ظاہر ہوگا، وہ یہودی ہوگا، اس کے پیروکار یہودی ہوں گے، وہ پوری دنیا پر چھا جائے گا، اور اسی ہنگامی حالت میں حضرت عیسیٰ آئیں گے، جو سارے عالم کو اس سے نجات دلائیں گے۔

لہٰذا عیسائیوں کا یہودیوں کے ساتھ جو رویہ ہے، وہ ان کی جس طرح فکر کر رہے ہیں، ان

کا ظاہراً تعاون کررہے ہیں،اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ سائنسداں اور لیبارٹری میں کام کرنے والے اسکالر چوہوں، مینڈکوں،اور نادر قسم کے سانپوں کے حصول سے ان پر جراثیم اور دواؤں کے تجربات کرنے کے لئے خوش ہوتے ہیں ان کو پالتے ہیں،ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

لہذا یہودی ان کے نزدیک تجربات کا مواد ہیں وہ ایک ناگزیر شر ہیں،دجال ان کے نزدیک ایک تقدیری فیصلہ الٰہی ہے،جس سے مفر نہیں ہے اور اس دجال کے بارے میں جس کے ظہور کا عقیدہ عیسائیوں کے ہاں قطعی ہے۔ان کے ہاں مذہبی کتابوں میں صراحتیں ہیں،انجیل میں پال کے خط بنام اہل تسالونیکی میں کہا گیا ہے:

''کوئی تمھیں دھوکہ میں نہ ڈالے، پہلے ارتداد وجود میں آجائے گا اور گناہ کا انسان اور ہلاکت کا بیٹا ظاہر ہوگا''۔(۶)

یہاں ارتداد کا ذکر آیا ہے،یہ کس کا ارتداد ہے اور کس چیز سے؟

عیسائیوں کے درمیان یہ الزام آج زور و شور سے لگایا جارہا ہے،آپس میں ان کے مختلف فرقے اور گروہ ایک دوسرے کو(Anti Christ) کہہ کر یعنی دشمن مسیح کہہ کر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔

مشرقی عربی النسل عیسائی۔جو زیادہ تر آرتھوڈکس ہیں۔یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی کیتھولک عیسائی صرف نام کے عیسائی ہیں،اور وہ کل دجال کے ساتھ ہوں گے۔

پادری ناشد حنا سفر دانیال کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ مرتد مسیحیوں کی شیرازہ بندی کی جائے گی لیکن یہ شیرازہ بندی مسیح کی تعلیمات سے محروم ہوگی،تمام مرتد نظامہائے باطل کے لئے متحد ہوں گے اور پاپائی کلیسا اپنے اثر ونفوذ کو دوبارہ حاصل کرے گا،اور تمام کلیسا ایک عظیم اتحاد کا مظاہرہ کریں گے،اور یہ کلیسائے پاپائیت سے اپنی طاقت حاصل کریں گے،اور یہ سب اس وحشی (مسیح دجال) کے خدام و نوکر بنیں گے۔(۷)

یہی پادری سفر الرؤیا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اصحاب بصیرت آج اس پستی و گراوٹ کو دیکھ سکتے ہیں،کیسے تعجب کی بات ہے کہ مرتد مسیحیت میں تمدن اور روشن خیالی کی انتہا اس پر ہو کہ انسان شیطان کی عبادت کرنے لگے(۸)

فادر سرکیس اپنی کتاب ''یہودی مسیحی تعلقات'' میں لکھتا ہے:

''اسرائیل اور نام کی عیسائیت میں کوئی فرق نہیں،آنے والے دن میں،جو بہت قریب ہے رب تعالیٰ نام کے عیسائیوں کے ساتھ اپنے خوفناک فیصلہ کا معاملہ فرمائے گا۔(۹)

ایرن سائڈ سفر دانیال کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''یوروپ کی دس طاقتیں ایک کولیشن بنائیں گی،یہ دس طاقتیں یوروپ کے ایک حکمراں کی حیثیت سے کام کریں گی،اور ان کا حکمراں وہی وحشی (دجال) ہوگا۔(۱۰)

پادری صائغ اپنی کتاب ''قوموں کی پسند'' میں لکھتا ہے:

''مرتد کلیسا اس وحشی (دجال) کو اپنی اور یہودیوں کی نمائندگی کا پورا اختیار دے دے گا، اور سب مل کر یہودی حکومت کی حفاظت کریں گے،مسیح دجال، بین الاقوامی ڈکٹیٹر ہوگا،وہ یہودیوں اور مرتد عیسائیوں کا عالمی صدر ہوگا۔(۱۱)

✿✿✿

حوالہ جات آخری قسط میں ملاحظہ فرمائیں

احکام ومسائل

فقہی سوال وجواب

سوال: موجودہ دور میں باغ کی خرید وفروخت کا رواج کافی بڑھ گیا ہے،عام طور پر لوگ کئی سالوں کے لئے باغ فروخت کردیتے ہیں،حالانکہ پھل موجود نہیں ہوتا ہے،کیا اس طرح کی خرید وفروخت درست ہے؟

جواب: چند سالوں کے لئے باغ کو فروخت کرنا ازروئے شرع جائز نہیں،اس لئے کہ یہ ایسی چیز کی خرید وفروخت ہے جو موجود نہیں ہے بلکہ معدوم ہے اور معدوم چیز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

سوال: باغ میں اگر صرف بور یا پھول آیا ہو لیکن پھل نہ لگا ہو تو اس صورت میں باغ فروخت کیا جاسکتا ہے؟

جواب: جب تک پھل پختہ یا قابل انتفاع نہ ہوجائے اس وقت تک اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

سوال: قبرستان کے درخت کی لکڑی یا اس کی قیمت مسجد کی تعمیر میں استعمال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ درخت قدیم زمانہ سے موجود ہیں اور ان کا کوئی مصرف بھی نہیں ہے؟

جواب: قبرستان کے درخت کی لکڑی یا اس کی قیمت مسجد کی تعمیر میں استعمال کرنا جائز نہیں،ہاں! اگر قبرستان کے کام اور اس کی ضرورت سے فاضل ہو اور اس سے سائے کا بھی فائدہ نہ ہو بلکہ یونہی پڑے رہنے سے ضائع یا خراب ہونے کا غالب گمان ہو تو ایسی صورت میں مسجد کی تعمیر میں استعمال کی گنجائش ہوگی ورنہ نہیں۔

(مفتی ظفر عالم ندوی)

رفتار کار

عالمی رابطہ ادب اسلامی کے ۱۹ ویں مذاکرۂ علمی کی

افتتاحی نشست سے علماء وفضلاء کا خطاب

ترتیب وپیشکش: اقبال احمد ندوی

عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ برصغیر و ممالک مشرقیہ کا دوروزہ انیسواں مذاکرۂ علمی مدھیہ پردیش کے دارالحکومت بھوپال میں ۲۴-۲۵ر محرم الحرام ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۹-۳۰ر مارچ ۲۰۰۳ء بروز سنیچر اتوار منعقد ہوا، اس کی افتتاحی نشست کا آغاز ۲۹ر مارچ کو صبح ساڑھے دس بجے برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال کے سوشیالوجی ڈپارٹمنٹ کے ہال میں تلاوت کلام پاک سے ہوا، اس کی صدارت رابطہ ادب اسلامی کے معزز رکن اور عالم اسلام کی عظیم اسلامی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مدظلہ العالی نے فرمائی۔

تلاوت کلام پاک کے بعد دار العلوم تاج المساجد بھوپال کے دو اساتذہ مولانا نعمت اللہ ندوی اور مولانا عبدالرزاق ندوی نے مل کر حضرت مولانا محمد سعید میاں مجددی دامت برکاتہم کا حضور اکرم ﷺ کی مدح میں عربی زبان میں لکھا ہوا قصیدۂ شہودیہ پیش کیا جس نے پوری فضا پر کیف و سرور کا ایک حسین سماں باندھ دیا، اور سامعین اشعار کی معنویت، آواز کے زیر و بم اور مخصوص ترنم کی چاشنی سے خوب خوب محظوظ ہوئے۔

نشست کی صدارت کرتے ہوئے حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ عربوں میں نثری ادب کا تصور اسلام سے پہلے موجود نہ تھا، صرف بہت معمولی درجے کے نثری نمونے ملتے ہیں، حالانکہ اہل عرب اپنی فصاحت و بلاغت اور زبان دانی میں بہت فائق تھے، اور ان کے کلام میں بلیغ شعری نمونے موجود تھے، لیکن انہیں جاہلی ادب قرار دیا جاتا تھا، کیونکہ ان میں زبان وقلم کی سنجیدگی نہیں تھی، اور ان میں اعلیٰ انسانی اقدار نہیں بلکہ شعری موشگافیاں ملتی تھیں، اور جاہلی رسم ورواج کی نمائندگی ہوتی تھی، حضور اکرم ﷺ ادب کے نمائندے بنا کر بھیجے گئے تو ادب کا ایک خاص تصور عام ہوا، اور ہر وہ بات جو کردار سازی اور انسان سازی کے لئے پیش کی جاتی ہے اس کو ادب سے تعبیر کیا گیا، اس طرح ادب ایک بامقصد ادب بنا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ انسانیت کو جاہلی ادب سے نجات ملی، اور ادب کو ایک صحیح نہج عطا ہوئی۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ صدقہ ہے نبوت محمدی کا کہ جس نے انسان کو یہ عزت و مرتبہ عطاء کیا کہ وہ اپنے زبان وقلم کو صحیح مقاصد کے لئے استعمال کرے، اور اس کے ذریعہ مفید نثری ادب تخلیق ہو۔ دیکھنے میں بہت سے ادب ہمیں بہت اعلیٰ درجہ کے معلوم ہوتے ہیں اور ادب عالی میں شمار کئے جانے کے لائق ہوتے ہیں لیکن اگر اس کے استعمال کرنے والے کی نیت صحیح نہیں ہے تو وہ ادب اسلامی اور مفید ادب نہیں ہوسکتا، اور بعض ادب دیکھنے میں بظاہر ادب نظر نہیں آتے اور ان کا اسلامی ادب سے کوئی ربط محسوس نہیں ہوتا لیکن ان کا بامقصد استعمال انہیں اسلامی ادب بنا دیتا ہے، مولانا نے مثال دے کر فرمایا کہ عربی کا ایک شعر ہے جسے شاعر نے کسی فاحشہ عورت کے لئے استعمال کیا تھا لیکن حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اسے دنیا کی مذمت میں پڑھا کرتے تھے، جس سے وہ شعر بھی ادب عالی کا نمونہ بن گیا، وہ شعر ہے:

اليوم عندك دلها و حديثها
و غداً لغيرك كفها و المعصم

(آج اس کا عشوہ و ادا اور ناز وغمزہ تمہارے لئے ہے، لیکن کل اس کا ہاتھ اور اس کی کلائی کسی اور کے لئے ہوگی)

اسی طرح بعض ادب اصلاً اسلامی ادب ہیں لیکن ان کا استعمال غلط مقصد کے لئے کیا جائے تو وہ غیر اسلامی بن جاتے ہیں، مثلاً ایک جملہ ہے: لا حكم إلا لله، یہ کتنا اچھا جملہ ہے، لیکن خوارج نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کے لئے استعمال کیا تھا اس لئے اس مقام پر اس کو اسلامی ادب نہیں کہہ سکتے، ادب میں ہمیں ایک دوسرے کی بھلائی، خیر خواہی، ہمدردی وغمگساری اور مساوات، باعزت طریقہ سے زندگی گذارنے کے آداب، اور عشق ومحبت کے حقوق وآداب سب سکھائے گئے ہیں، اس موقع پر مولانا نے دلیل کے طور پر عربی اور اردو کے کئی اشعار بھی اپنے مخصوص انداز اور لب ولہجہ میں پڑھے جن سے سامعین بہت محظوظ ہوئے، قارئین کے لطف طبع کے لئے ہم ذیل میں چند اشعار پیش کررہے ہیں:

إن التي زعمت فؤادك ملها
خلقت هواك كما خلقت هوى لها
بيضاء باكرها النعيم فساغها
بلباقة فأدقها و أجلها
حجبت تحيتها فقلت لصاحبي
ما كان أكثرها لنا و أقلها

مولانا نے فرمایا کہ یہ حب عذری اور غزل کے بہترین اشعار ہیں، اور ان میں حسن وعشق کی وہ باریکیاں پیش کی گئی ہیں کہ یہاں اردو میں ان کی تشریح بھی مشکل ہے، اس لئے ہم ان کا ترجمہ بھی

نہیں دے رہے ہیں تا کہ عربی داں حضرات براہ راست ان سے لذت اندوز ہوں۔ اسی سلسلہ میں اردو کے بھی دو شعر پیش ہیں:

عشق کی وسعتیں خدا کی پناہ
حوصلہ چاہئے وفا کے لئے
مجھ کو جو چاہو ناصحو کہہ لو
کچھ نہ کہنا اسے خدا کے لئے

مولانا موصوف نے خاص طور پر عربی ادب کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ بعد میں بھی اس میں مہمل ادب تخلیق ہوا، جس کے مضر پہلوؤں کا اندازہ لگا کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ادب اسلامی کے فروغ پر جو در اصل مثبت ادب ہے زور دیا، اور اس مقصد کے لئے بیس برس قبل رابطہ ادب اسلامی کے نام سے ایک عالمی انجمن کی داغ بیل ڈالی، آج ساری دنیا میں اس انجمن کے ذریعہ کردار سازی، انسان سازی اور اخلاقیات کو ابھارا جارہا ہے، مولانا نے علم وادب کی سرزمین بھوپال میں "انسانی کردار سازی میں اخلاقی واسلامی ادب کی خدمات" کے موضوع پر منعقد ہونے والے اس سیمینار کو ایک عظیم مقصد کے لئے انسانوں کے اجتماع سے تعبیر کیا، اور توقع ظاہر کی کہ اس کے وسیلہ سے اعلیٰ ادب کو جو یقیناً اسلامی ادب ہے، فروغ ملے گا۔ اس سے قبل مولانا حبیب ریحان خاں ندوی ازہری نے ۱۹۹۱ء میں بھوپال میں ہونے والے رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار کی یادوں کو تازہ کیا، اور موجودہ سیمینار کی کامیابی کے لئے نیک خواہشات پیش کیں، اور زور دے کر فرمایا کہ موجودہ عہد کی تمام حشر سامانیوں کا علاج قرآن حکیم کی روشنی میں ہی ممکن ہے، جو یقیناً ادب کا بھی ایک شاہکار ہے، موصوف نے ادب کی شرائط پر بھی روشنی ڈالی، اور ان کو اپنانے یا کم از کم سمجھنے کی ضرورت واضح کی، اور آج کے ادیبوں سے گذارش کی کہ وہ ادیب بننے کے لئے اپنی متعلقہ زبان پر عبور حاصل کریں تا کہ ان کا قلم کچھ و پکے ادب کی تخلیق کا باعث نہ بنے۔

اس موقع پر امیر دار العلوم تاج المساجد بھوپال اور سیمینار کے کنوینر حضرت مولانا محمد سعید میاں مجددی نے بھوپال اور یہاں کی علمی ترقیات اور اس میں مقامی شخصیات کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے رابطہ ادب اسلامی کے علمی وادبی سیمینار کے لئے اس سرزمین کو نہایت مناسب قرار دیا، اور درسگاہوں کی کردار سازی میں اس کی خدمات کو خاص طور پر اجاگر کیا۔ مولانا موصوف نے فرمایا کہ بذریعہ ادب انسانوں کی جو کردار سازی ہوئی یا ہو سکتی ہے دو یوم تک جاری رہنے والے اس علمی سیمینار میں وہ موضوع بحث رہے گا، اور اس کے ذریعہ شرکاء کے ذہنوں کو جلا ملے گی۔

قبل ازیں برکت اللہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر ایس کے وچھانی نے عالمی رابطہ ادب اسلامی کے قیام اور اس میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ ادب ہمارے سماج کا آئینہ ہوتا ہے، اچھے ادب کے لئے ضرورت ہے کہ اچھے انسان بھی پیدا ہوں، اور اچھے انسان ہی کسی بات کو بہتر طریقے پر اور شائستہ انداز میں بیان کر سکتے ہیں۔

سیمینار کے ڈائرکٹر اور برکت اللہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے سربراہ پروفیسر محمد حسان خاں نے اپنی تقریر میں مہمانان کرام بالخصوص بیرونی مندوبین کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ ادب سماج کا ایک حساس عنصر ہے، اور چونکہ یہ ترجمانی کا کام بھی انجام دیتا ہے لہذا اس کی تخلیق و پیشکش کامل احتیاط کی متقاضی ہے، اور رابطہ ادب اسلامی کا بھی یہی مقصد ہے کہ ادب کو گمراہی و بے راہ روی سے بچایا جائے، انہوں نے عربی زبان کی اہمیت واضح کرتے ہوئے مزید کہا کہ یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ داخل ہوئی، اور اس نے یہاں کی علمی وسماجی زندگی پر گونا گوں اثرات ڈالے، آج ملک کی تیس سے زیادہ یونیورسٹیوں میں اس کو پڑھایا جارہا ہے، عربی زبان وادب کی خدمت میں اہل بھوپال خصوصیت سے یہاں کے نوابی حکمراں اور علماء کا بھی بڑا حصہ رہا ہے۔

قبل ازیں مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی نے رابطہ ادب اسلامی کے اسسٹنٹ سکریٹری مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی عربی میں لکھی ہوئی رپورٹ کی اردو زبان میں تلخیص پیش کی، اور مولانا سید محمد اجتباء ندوی نے مندوبین کی نمائندگی کرتے ہوئے سیمینار کے انعقاد کے لئے بھوپال شہر کے انتخاب کو سراہا، افتتاحی نشست کی نظامت کے فرائض پروفیسر محمد محسن عثمانی ندوی نے انجام دیئے۔

سیمینار کی افتتاحی تقریب میں رابطہ ادب اسلامی کے دو بچھڑے ساتھیوں کو بھی یاد کیا گیا، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ عربی کے صدر اور آرٹس فیکلٹی کے ڈین پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی جن کا انتقال اسی سال جنوری کے تیسرے ہفتہ میں اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کے نتیجہ میں ہوا، ان کے سانحۂ ارتحال پر ان کے عزیز دوستوں پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی ندوی اور پروفیسر مسعود الرحمٰن خاں ندوی نے اپنی تحریروں کے وسیلہ سے ان کی ہمہ صفت شخصیت، اعلیٰ انسانی صفات اور تدریسی وعلمی خدمات پر روشنی ڈالی، بعد میں صدر جلسہ مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی نے بھی پروفیسر سید ضیاء الحسن مرحوم کی ضیاء پاشیوں پر روشنی ڈالی، نیز مولانا محمد لقمان خاں ندوی ازہری مرحوم کو بھی کارواں کے ہم سفر کی حیثیت سے یاد کیا گیا، اور خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

رابطہ ادب اسلامی کا معمول ہے کہ اس کے افتتاحی اور اختتامی جلسوں کی صدارت صدر رابطہ ادب اسلامی کرتے ہیں، لیکن چونکہ رابطہ ادب اسلامی شعبۂ برصغیر وممالک مشرقیہ کے صدر

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ٹرین لیٹ ہو جانے کی وجہ سے سیمینار کے پہلے روز نہیں پہونچ سکے، اس لئے ان کی نیابت میں مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی نے افتتاحی جلسہ کی صدارت فرمائی، دوسرے روز حضرت مولانا مدظلہ العالی کی تشریف آوری ہوئی، اور آپ نے اختتامی جلسہ کی صدارت فرمائی، جس کی رپورٹ تعمیر حیات کے گذشتہ شمارہ میں آچکی ہے۔

افتتاحی اجلاس کے بعد مقالات کی سات نشستیں ہوئیں، ان میں سے پہلے روز کی تین نشستیں برکت اللہ یونیورسٹی کے سوشیالوجی ڈپارٹمنٹ کے ہال میں منعقد ہوئیں، اور چار نشستیں دوسرے روز دار العلوم تاج المساجد کے سلیمان ہال میں منعقد ہوئیں، جن میں مقالہ نگار حضرات نے اپنے مقالات پیش کئے، مجموعی طور پر ساٹھ سے زائد مقالات آئے، لیکن تنگی وقت کی بناء پر صرف ۴۹ مقالے ہی پڑھے جاسکے، ان مقالات میں چھ ۶ عربی میں، دو انگریزی میں، ایک ہندی میں، اور بقیہ اردو میں تھے۔ مقالات کی نشستوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

مقالات کی پہلی نشست

صدارت: مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی، مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

نظامت: مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی ازہری، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مقالہ نگار:

۱- پروفیسر سید رفیع الدین ناگپور کردار سازی میں کلام اقبال کا حصہ
۲- مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکل ادعیۂ مأثورہ کی ادبی حیثیت اور تعمیر اخلاق میں ان کا کردار
۳- ڈاکٹر صہیب عالم صدیقی دہلی مولانا آزاد کی تحریر وتقریر میں کردار سازی کی عناصر
۴- ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی لکھنؤ مولانا دریابادیؒ اور کردار سازی: چند جھلکیاں "آپ بیتی" کے آئینہ میں

مقالات کی دوسری نشست

صدارت: پروفیسر محمد راشد ندوی، سابق صدر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

نظامت: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی، ریڈر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مقالہ نگار:

۱- ڈاکٹر کے. بی. پنڈا بھوپال کردار سازی میں مذہب کا حصہ (ہندی)
۲- ڈاکٹر مرضیہ عارف بھوپال نسوانیت کی معراج کلام اقبال میں
۳- مولانا حبیب ریحان خاں ندوی بھوپال لمحة من أخلاق النبي ﷺ قبل البعثة
۴- ڈاکٹر سمیع اختر علی گڑھ مصطفیٰ محمد طحان کی نگارشات میں انسانی کردار سازی کے عناصر: شخصية المسلم المعاصر ایک مطالعہ
۵- ڈاکٹر خالدہ صدیقی بھوپال ڈپٹی نذیر احمد کی تحریروں میں انسانی کردار کی خوبیاں
۶- ڈاکٹر عائشہ کمال بھوپال اکبر الہ آبادی کی شاعری میں سماجی واخلاقی کردار

مقالات کی تیسری نشست

صدارت: مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب، ناظم جامعہ سبیل السلام، حیدر آباد

نظامت: مولانا محمود الازہر صاحب ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مقالہ نگار:

۱- مولانا سید شرافت علی ندوی بھوپال کلام اقبال میں کردار ساز شخصیات
۲- ڈاکٹر عبد الماجد قاضی ندوی دہلی الجوانب البناءة في شعر إقبال
۳- مولانا اطہر حبیب ریحان خاں ندوی بھوپال الشعر الأخلاقي و التربوي عند الشاعر الليبي الكبير مصطفى بن زكرى
۴- ڈاکٹر نسیم اختر ندوی دہلی ڈپٹی نذیر احمد کی تحریروں میں انسانی قدروں کی اہمیت
۵- جناب عارف عزیز بھوپال تعمیر انسانیت میں صحافت کی خدمات
۶- ڈاکٹر سید یحیی نشیط کل گاؤں انسانی کردار سازی میں تعلیم، اخلاق واقدار کی اہمیت، کلام اقبال کے حوالہ سے

مقالات کی چوتھی نشست

صدارت: پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی، سابق صدر شعبۂ عربی وفارسی واردو، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد

نظامت: ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی ندوی ریڈر شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مقالہ نگار:

۱- پروفیسر عبد الباری علی گڑھ مولانا آزاد کی تحریروں میں کردار سازی کے عناصر غبار خاطر کی روشنی میں ایک جائزہ
۲- پروفیسر ابو سفیان اصلاحی علی گڑھ تدبر قرآن اور عدل وقسط کا مفہوم
۳- مولانا محمد رضوان القاسمی حیدر آباد آدمی نظیر کی نظر میں
۴- ڈاکٹر عبد التین خاں علی گڑھ سر سید کی تحریروں میں اخلاقی کردار
۵- مولانا عبد الباسط ندوی حیدر آباد احادیث نبویہ کی ادبی حیثیت اور تعمیر کردار میں ان کی افادیت
۶- مولانا احسن علی خاں ندوی بھوپال کلام اقبال میں قرآنی تعلیمات انسانی کردار کی تعمیر میں کیا رول ادا کر سکتی ہیں؟
۷- عمیر الصدیق ندوی اعظم گڑھ مولانا دریابادی اور ادب میں کردار سازی
۸- ڈاکٹر ظفر صدیقی ندوی علی گڑھ

خطبات مدراس سید سلیمان ندوی کا ایک شاہکار

مقالات کی پانچویں نشست

صدارت: پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی، صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

نظامت: ڈاکٹر محمد عارف جنید، برکت اللہ یونیورسٹی، بھوپال

مقالہ نگار:

۱- پروفیسر سید محمد اجتباء حسینی ندوی دہلی

القيم الخلقية في "كلمات صدق" لفضيلة الشيخ عبد الماجد الدرياابادي

۲- مولانا ضیاء الدین اصلاحی اعظم گڑھ

علامہ شبلی اور افراد سازی

۳- پروفیسر محمد راشد ندوی علی گڑھ اسلام دین رحمت مصنفہ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی

۴- مولانا سید بابر حسین ندوی بھوپال

الأحاديث النبوية و مساهمتها الفعالة في بناء الحياة الإنسانية

۵- سید محمود حسن حسنی ندوی رائے بریلی

حضرت مولاناؒ کی تصانیف میں انسانی کردار سازی کے عناصر

۶- ڈاکٹر اقبال حسین ندوی حیدر آباد امجد حیدر آبادی

۷- ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی علی گڑھ تابش مہدی کے کلام میں کردار سازی کے عناصر

مقالات کی چھٹی نشست

صدارت: پروفیسر عبد الباری، سابق صدر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

نظامت: ڈاکٹر سید محمد راشد نسیم ندوی ریڈر شعبۂ عربی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد

مقالہ نگار:

۱- ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی علی گڑھ سرسید کے تہذیب الاخلاق کی معنویت - کردار سازی کے پس منظر میں

۲- مولانا نعمت اللہ ندوی بھوپال مولانا حالی کی شاعری میں انسانی کردار سازی کا عمل

۳- ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشا ناگپور فکر اقبال میں مومن کا کردار

۴- مفتی احتشام الحق حیدر آباد دکن کے مایہ ناز عالم حضرت مولانا عبد اللہ شاہ کی تحریروں میں کردار سازی کے عناصر

۵- پروفیسر سید احتشام احمد ندوی علی گڑھ مثنوی صبح امید اور اصلاح امت

۶- مولانا محمد شعیب کوٹی بمبئی مولانا مدنی کی تحریروں میں کردار سازی

۷- مولانا سید عبد العزیز جنگ پوری دہلی مولانا ابوالکلام کی تحریر و تقریر میں کردار سازی کے عناصر

۸- پروفیسر عبد العلیم قدوائی علی گڑھ مولانا عبد الماجد دریابادی کی تحریروں میں اخلاقی قدریں

۹- ڈاکٹر جمشید احمد ندوی علی گڑھ احادیث نبویہ کی ادبی حیثیت اور تعمیر کردار میں ان کی افادیت

۱۰- ڈاکٹر سید راشد نسیم حیدر آباد مولانا اسماعیل میرٹھی اور ان کے ادبی سرمایہ میں کردار سازی کے عناصر

۱۱- ڈاکٹر حمید اللہ ندوی بھوپال انسانی کردار کا قرآنی تصور

۱۲- ڈاکٹر احسان اللہ فہد علی گڑھ حضرت حفیظ میرٹھی کے کلام میں انسانی کردار سازی

مقالات کی ساتویں نشست

صدارت: مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی، ناظم دار المصنفین، و مدیر مجلہ معارف، اعظم گڑھ

نظامت: مولانا سید شرافت علی ندوی استاذ دار العلوم تاج المساجد، بھوپال

مقالہ نگار:

۱- پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی ندوی علی گڑھ کلام اقبال میں حرکیت اور کردار سازی

۲- پروفیسر محمد محسن عثمانی ندوی حیدر آباد قرآن کا ادبی اعجاز

۳- مولانا سید مشتاق علی ندوی بھوپال سلطان جہاں بیگم: اسلامی و اخلاقی اقدار کے فروغ میں ان کا کردار

۴- مولانا شمس الدین ندوی بھوپال احادیث نبویہ کی ادبی حیثیت اور تعمیر کردار میں ان کی افادیت

۵- مولانا محمد ہاشم القاسمی حیدر آباد انسانی کردار سازی میں صحافت کا کردار

۶- مولانا مبین سلیم ازہری ندوی بھوپال

الأحاديث النبوية و قيمتها الأدبية

مقالات کی تعداد چونکہ زیادہ تھی، اور وقت میں گنجائش کم تھی، اس لئے بعض مقالے پڑھے نہیں جاسکے، نیز کچھ حضرات ایسے بھی تھے جنھوں نے سیمینار کے لئے مقالہ لکھا، اور سفر کی تیاری بھی کی، لیکن بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے سیمینار میں شریک نہیں ہوسکے، ان تمام حضرات کے مقالات کو سیمینار کی کارروائی میں شامل کرتے ہوئے ان کو شریک سیمینار سمجھا گیا، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱- جناب محمد بدیع الزماں پھلواری شریف

۲- ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری علی گڑھ

۳- ڈاکٹر عبد المجید خاں علی گڑھ

۴- غلام مرسلین علی گڑھ

۵- ڈاکٹر سید مظفر اقبال بھاگلپور

۶- مولانا صباح اسماعیل ندوی کولکتہ

۷- صاحبزادہ شوکت علی خاں ٹونک حضرت

۸- مولانا محمد خالد سیف اللہ رحمانی حیدر آباد

۹- مولانا کلیم الرحمٰن خاں ندوی بھوپال

۱۰- محمد فرمان نیپالی لکھنؤ

۱۱- ڈاکٹر فہیم اللہ قادری حیدر آباد

۱۲- مولانا ابو سبحان ندوی رائے بریلی

۱۳- مولانا احمد علی حسنی ندوی رائے بریلی

☆☆☆

بقیہ صفحہ ۴

صرف سورہ فاتحہ کی مثال لے لیجئے جسے ہر نماز میں پڑھنا ضروری ہے، مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں سورہ فاتحہ کی دلکش اور دل آویزی لکھی ہے، لیکن اس سورہ کا جو ادبی حسن و جمال ہے اس کا کوئی تذکرہ ان کی تفسیر میں نہیں ہے کیونکہ اردو کے قارئین کو نہ تو سمجھانا آسان ہے اور نہ ان کے لئے ادب کی خوبیوں کا ادراک کر لینا سہل ہے، اس لئے ان کی تفسیر میں اس سورہ کے فواصل کے حسن کا تذکرہ نہیں، غور کیجئے کہ "الحمد للہ" حسن مطلع، حسن آغاز اور براعت استہلال کا آئینہ دار ہے، الحمد کا الف لام استغراق اور شمولیت کا فائدہ دیتا ہے صرف تعریف نہیں بلکہ ہر قسم کی تعریف اس کے مفہوم میں شامل ہے "إياك نعبد اور" إياك نستعين" میں تقدیم و تاخیر نے حصر کے معنی پیدا کردئے ہیں، یعنی ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف اور صرف تجھ سے مدد کے طالب ہیں، "الصراط المستقيم" کے ابہام کے بعد" صراط الذين انعمت عليهم" کی تصریح بلاغت کی جان ہے، نعبد اور نستعین میں جمع کی ضمیر اس بات کا اشارہ دے رہی ہے کہ بندہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ تنہا تیرے عظیم دربار میں کھڑے ہونے اور اپنی مناجات پیش کرنے کی ہمت نہیں کرتا ہوں اس لئے لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کے ساتھ ملتمس رحمت و عنایت ہوں، ہم سب تیرے بندے ہیں تیری بندگی کرتے ہیں اور تجھ سے مدد کے خواستگار ہیں، آیتوں میں "ن، اور م" قریب المخرج حروف ہیں اور حروف تہجی کی ترتیب میں بھی متصل آئے ہیں، عالمین اور دین اور نستعین کے ساتھ ساتھ "الرحمن الرحيم" اور "الصراط المستقيم" کی صوتی ہم آہنگی پائی جاتی ہے، سورہ میں الفاظ اور آیتوں میں روانی ہے، تلاوت کرنے میں یا یاد کرنے میں اس سے آسانی پیدا ہوتی ہے، "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" میں جو صوتی فخامت ہیبت اور جلالت پائی جاتی ہے وہ مہیمن اور مقتدر اعلیٰ کی جلالت شان کی طرف اشارہ کرتی ہے سورہ کا مجموعی رنگ جمال کا ہے لیکن جلال کے رنگ سے بالکل خالی بھی نہیں، یہ صرف سورہ کے گلشن بلاغت کے چند پھول ہیں۔

انگریزی زبان و ادب کے ایک مشہور ناقد کا قول ہے کہ ادبی عبارت میں ہر لفظ اپنے صحیح محل پر ہوتا ہے ایسی عبارت ایک زندہ جسم کے مانند ہوتی ہے، اور اگر ایک لفظ بھی ادھر سے ادھر کر دیا جائے تو اس سے خون بہنے لگے گا، قرآن مجید کا معیار اس نقد کامل عیار سے بھی زیادہ بلند ہے، اس کا کوئی لفظ دوسرے لفظ سے بدلا نہیں جاسکتا ہے، ہر لفظ ایک نگینہ کی طرح عبارت میں انگوٹھی میں جڑا ہوا ہے، قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی متلو آیات ہیں لیکن کائنات غیر متلو آیت ہے اس میں اللہ کی مرئی آیات (نشانیاں) پھیلی ہوئی ہیں، یعنی ان کو دیکھا جاسکتا ہے، اس کائنات رنگ و بو میں خالق ارض و سماوات کی آیتیں یعنی نشانیاں ہر طرف موجود ہیں جو اس کے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہیں، خاور صبح جب نمودار ہوتا ہے ہر طرف روشنی پھیل جاتی ہے اور جب سرشام ڈوبتا ہے تو طشت افق پر لالے کے پھول بکھیر دیتا ہے، بوقت شب ماہتاب چاندی کے ورق برساتا ہے اور رات کو روشن اور نورانی بنا دیتا ہے، لیلائے شب کی زلفوں میں ستارے جھلملاتے ہیں، آسمان کی مانگ دمکتی ہوئی کہکشاں نظر افروز حسن کا منظر پیش کرتی ہے، جس طرح چاند اور ستارے زیورات آسمانی اور گل ہائے رنگا رنگ زیورات ارضی ہیں بالکل اسی طرح سے قرآن کی تمام آیتیں زیورات لفظی کی حیثیت رکھتی ہیں، جس طرح بینائی سے محروم شخص کے لئے حسن و جمال کے یہ جلوے کوئی معنی نہیں رکھتے اسی طرح سے عربی زبان کی بلاغت سے ناآشنا شخص کے لئے قرآن کے ادبی حسن کا پورے طور پر ادراک کرنا محال ہے، اس میں حکمت و معانی کا اور مطالب کا جو دریائے بے کراں ہے وہ اس کے علاوہ ہے، جس بصارت سے محروم شخص کے مقابلہ میں دیدہ ور بینا رکھنے والا انسان بینائی کی عظیم نعمت سے سرفراز ہے اسی طرح سے عربی زبان و ادب سے ناآشنا شخص کے مقابلہ میں عربی زبان اور قرآن مجید کا ذوق رکھنے والا انسان خوش نصیب ہے اور عظیم نعمت سے بہرہ ور ہے، مختلف زبانیں اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں لیکن ان میں سیادت کا مقام عربی زبان کو حاصل ہے، چونکہ عربی زبان و ادب میں رسوخ کامل کے بغیر اس کے ادبی حسن و جمال کو نہیں سمجھا جاسکتا ہے اس لئے مترجمین اور مفسرین اس جمال کا تذکرہ کئے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں حالانکہ اکثر ارباب بلاغت و ادب کے نزدیک ادبی کمال ہی وہ میدان ہے، جس میں قرآن نے عمائدین ادب کو چیلنج دیا تھا کہ اگر یہ انسانی کلام ہے تو اس جیسا کلام پیش کر کے دکھاؤ، اکثر علماء سلف کی رائے یہی ہے، بعض علماء نے اعجاز کے دوسرے پہلو کو زیادہ اہمیت دی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے الفوز الکبیر میں احکام و تعلیمات اور ارشادات کے اعتبار سے قرآن کو معجزہ قرار دیا ہے، مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیلنج محض قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کی ادبی خوبیوں کے لحاظ سے تھا اعجاز قرآن پر جس انداز سے بحثیں کی گئی ہیں ان سے یہ غلط فہمی پیدا ہونا کچھ بعید نہیں لیکن قرآن کا مقام اس سے بلند تر ہے کہ وہ اپنی یکتائی اور بے نظیری کے دعویٰ کی بنیاد محض اپنے لفظی باس پر رکھے بلاشبہ قرآن اپنی زبان کے لحاظ سے بھی لاجواب ہے....."

علامہ شبلی اپنے مضمون اعجاز القرآن میں رقم طراز ہیں۔

"غور کرو قرآن مجید کی فضیلت کے بیان میں اس ناصح رہنما بشیر اور نذیر نور حکیم کہا لیکن فصاحت و بلاغت کا کہیں نام تک نہیں آیا اور وہی چیز چھوڑ دی گئی ہے جو لوگوں کے تزویک مدار اعجاز ہے، کیا ہدایت اور حکمت کے لحاظ سے کوئی کتاب قرآن کا جواب ہوسکتی ہے اگر نہیں ہوسکتی ہے تو یہ اوصاف کیوں معجزہ نہ ہوں، اس کے یہ معنی نہیں کہ فصاحت و بلاغت میں قران کا جواب ہوسکتا ہے بے شبہ نہیں ہوسکتا اور قیامت تک نہیں ہوسکتا....."

قدیم مفسرین ادبی اعجاز کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، جاحظ جیسا ادیب اور علوم عربیہ کا ماہر اسی ادبی اعجاز کا قائل ہے، علامہ ابن حزم ظاہری نے الفصل فی الملل والنحل کی جلد سوم میں یہی موقف اختیار کیا ہے، متکلمین اور معتزلہ اور اشاعرہ تقریباً یہی موقف رکھتے ہیں اور یہ بحثیں باقلانی کی اعجاز القرآن اور جلال الدین سیوطی کی الاتقان اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں، قرآن مجید میں بعینہ محاسن لفظیہ اور فصاحت و بلاغت آیات کے الفاظ مذکور نہ سہی لیکن اس مفہوم پر دلالت کرنے والی آیات موجود ہیں سورہ نحل میں ہے" ھذا لسان عربی مبین "یعنی یہ ایسی زبان ہے جو عربی مبین ہے اور مبین کے مفہوم میں فصاحت و بلاغت بھی داخل ہے کیونکہ فصاحت و بلاغت کے بغیر کوئی "لسان" پورے طور پر "مبین" نہیں ہوسکتی ابانت اور بیان تبیین کو بلند ترین درجہ تک پہونچانے کے لئے اور مدعا کو پورے طور پر موثر طریقہ سے واضح کرنے کے لئے لفظی محاسن کی رعایت بھی لازمی ہے، قرآن میں دعویٰ بار بار آیا ہے سورہ شعراء میں ہے" بلسان عربی مبین "فصاحت و بلاغت اور زبان و بیان کے محاسن کے بغیر نہ ایضاح و ابلاغ مکمل ہوتا ہے اور نہ تسخیر و تاثیر مکمل ہوتی ہے، یہ تسلیم کہ بالکل صراحت اور تعین کے ساتھ لفظ فصاحت و بلاغت استعمال نہیں ہوا زبان و بیان اور اسلوب اور طرز ادا کا تعلق وسیلہ سے ہے اور جو چیز کہ ذریعہ اور وسیلہ ہو وہ اگرچہ کہ معجزہ ہو اس کے جمال و کمال کا کھلے طور پر بلند آہنگ دعویٰ حسن بلاغت اور حسن ادب کے خلاف ہے اور آج تک دنیا میں بڑے سے بڑے ادیب اور انشاء پرداز نے بھی اپنی زبان سے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے پھر قرآن ہی سے یہ مطالبہ کیوں کہ وہ صراحت کے ساتھ اس کا دعویٰ کرے اور ڈھنڈورا پیٹے، قرآن نے اپنے بارے میں کہا ہے" حکمۃ بالغۃ "یعنی دلوں کے اندر اتر جانے والی حکمت و دانائی استعمال کی گئی ہے اور بلاغت کے بغیر کوئی حکمت بالغہ نہیں بن سکتی ہے، گویا قرآن باعتبار حکمت بھی معجزہ ہے اور باعتبار حکمت بالغہ بھی معجزہ ہے، فصاحت و بلاغت کے بغیر تاثیر ممکن نہیں اور قرآن کی قوت تاثیر کا حال یہ ہے کہ کفار اسی بناء پر اسے جادو قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ" ھذا سحر مبین "کہ کھلا ہوا جادو ہے، اصل یہ کہ قرآن زبان و ادب کے اعتبار سے معجزہ تو ہے لیکن اس کا اعجاز صرف اسی پہلو میں منحصر نہیں، ایک مادی جسمانی وجود کو لے لیجئے جو پیکر محبوبی اور مجموعہ خوبی ہو اور اس کے حسن دلنواز اور جمال جہاں آرا کا بیان ہو تو ہر شخص اپنے ذوق نظر کے مطابق اظہار کرتا ہے، ایک شخص کی چشم اعتبار میں چشم محبوب کے اندر سارا حسن مرتکز ہوجاتا ہے، دوسرے کی نگاہ زلف رسا میں الجھ جاتی ہے، تیسرا قد رعنا اور سرو قامتی کا ایسا گرویدہ ہوتا ہے کہ قیامت کے فتنہ کو بھی اس سے ایک قد آدم کم دیکھتا ہے، الغرض قرآن کے وجوہ اعجاز بھی ایک سے زیادہ ہیں جو اہل علم اعجاز کے دوسرے پہلو بیان کرتے ہیں وہ بھی ادبی اعجاز کے پہلو کا انکار نہیں کرتے ہیں، لہذا البید جیسے شاعر نے قرآن کے نزول کے بعد شاعری چھوڑ دی تھی اور یہ کہا تھا کہ سورہ بقرہ اور آل عمران کے بعد شاعری زیبا نہیں، جب قرآن نے چیلنج دیا تھا اس وقت قادر الکلام شعراء اور زبان و ادب کے جوہری موجود تھے ان میں کوئی بھی اس چیلنج کا جواب دینے کی ہمت نہیں کرسکا تھا اور نہ بعد کی صدیوں میں کوئی جواب دے سکا، وہ جان گئے کہ قرآن خارق عادت کلام ہے یہ ایک معجزہ ہے جو پیغمبر ﷺ پر نازل کیا گیا، یہ قرآن نبوت کے لئے برہان ہے، یہ پیغمبر کا کلام نہیں، اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو وہ اسلام کے دعویٰ صداقت کو پست اور غلط دکھانے کے لئے ضرور کوشش کرتے اور کوئی کلام لا کر دکھاتے، پیغمبرانہ کلام کے نمونے احادیث میں موجود ہیں، اس میں بلاغت اور فصاحت موجود ہے، لیکن اس کے اسلوب اور قرآن کے اسلوب میں آسمان اور زمین کا فرق ہے، اور زبان اور اس کے اسالیب کا جاننے والا یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ دونوں کا منبع ہرگز ایک نہیں ہوسکتا ہے۔

قرآن کے ادبی اور بلاغتی اعجاز کے لئے الگ سے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، اس کا کتاب الٰہی ہونا ہی بطور دلیل کافی ہے، قرآن کتاب الٰہی ہے اور کوئی انسان کتاب الٰہی جیسی کوئی شئی نہیں پیش کرسکتا ہے، یہ بات دوسرے موجود آسمانی صحیفوں کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی کیونکہ موجودہ شکل میں ان کی حیثیت انسانی کلام کی ہے، تحریفات سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو زیادہ سے زیادہ انہیں کلام الٰہی کا ترجمہ قرار دیا جاسکتا ہے، اصل توارت جو موسیٰ پر نازل ہوئی تھی وہ عبرانی زبان میں تھی جس کا آج دنیا میں کوئی نسخہ موجود نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اصل نسخہ بخت نصر کی آگ میں جل گیا اور اس نسخہ نے آرامی اور سریانی زبان کا قالب اختیار کرلیا کئی سو سال کے بعد حضرت عزیرؑ نے پھر اس کو عبرانی زبان میں منتقل کیا اور انجیل کے متعلق یہ ابھی تک طے نہیں کہ اس کی اصل زبان کیا تھی اور ابتداءً وہ کس زبان میں نازل ہوئی اور تحریری شکل میں آئی تھی، اس وقت

قدیم ترین انجیل کا نسخہ یونانی زبان میں ہے لیکن وہ زبان نہیں جو حضرت عیسیٰ بولتے تھے اور جس میں اہل فلسطین سے خطاب کرتے تھے، اس لئے اب ان کتابوں کے اعجاز کا دعویٰ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن کی ایک چھوٹی سی آیت ہے "ولکم فی القصاص حیاۃ" اس آیت کا ایجاز اس کا اعجاز ہے دریا کو کوزہ میں بند کردیا گیا ہے، کہا گیا کہ تمہارے لئے قصاص کے اندر حیات پنہاں ہے، اس سے قریب ترین ایک جملہ عربوں میں رائج اور متداول تھا" القتل انفی للقتل "یعنی قتل کردینا جرم قتل کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے، لیکن دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے، لفظ حیات کے اندر قصاص کے جو بے پناہ فائدے ہیں ان کا اظہار ہے، لفظ حیاۃ کے نکرہ (Indefinite noun) استعمال ہونے کی وجہ سے معنی میں بڑی وسعت پیدا ہوگئی ہے، جسمانی زندگی، روحانی زندگی، تہذیبی زندگی، تمدنی زندگی الغرض ہر طرح کی زندگی اس کے مفہوم میں داخل ہوگئی، عربوں کے متداول محاورہ میں لفظ قتل کی تکرار ہے قرآن کی عبارت تکرار کے عیب سے خالی ہے، اس کے حروف میں انسجام اور ہم آہنگی ہے زبان سے اس کا ادا کرنا عربی کے متداول جملہ کے زبان سے ادا کرنے کے مقابلہ میں آسان ہے، اسی طرح سے قرآن کی آیت "فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسواھا" میں دمدم کا لفظ غور کرنے کے لائق ہے ایسا لگتا ہے کہ عذاب نازل ہورہا ہے اور اس کی دھمک سنائی دے رہی ہے۔

قوم نوح پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے اور سیلاب و طوفان نے ان کی عمارتوں کو تہ آب غرق کردیا ہے، اس طوفان کے تھمنے کا تذکرہ قرآن نے جن الفاظ میں کیا ہے وہ ادب کا اعجاز ہے" وقیل یا أرض ابلعی ماءک و یا سماء إقلعی و غیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعدا للقوم الظالمین" (ہود: آیت/۴۴)

"یعنی حکم ہوا اے زمین اپنا سارا پانی نگل جا اور اے آسمان بس کر چنانچہ پانی زمین میں پیوست ہوگیا، فیصلہ کردیا گیا، کشتی جودی پہاڑ پر رک گئی اور کہہ دیا گیا جا دور ہو ظالموں کی قوم سے"

اس آیت کی بلاغت کو کن الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے، وسیع عربی زبان کا کوئی دوسرا لفظ ابلعی سے زیادہ موزوں نہیں ہوسکتا، ابلعی کی مناسبت سے اسی وزن اور شان کا لفظ اقلعی ہے، شروع میں ماءک کی صراحت موجود ہے اقلعی کے بعد اس صراحت کی ضرورت نہیں اس لئے اسے حذف کردیا گیا، اس کے بعد غیض اور قضی کے مجہول کے صیغہ Passive Voice میں استعمال نے عجیب حسن پیدا کردیا ہے، پوری عبارت سبک سبک ٹکڑوں سے مرکب ہے، آخری ٹکڑا نسبتاً زیادہ طویل ہے کہ بلاغت کا اور زبان کے حسن تناسب کا تقاضہ یہی تھا۔

فرعون کے بارے میں وارد ہوا ہے" إن فرعون علا فی الارض "فرعون کی نخوت اور سرکشی غلبہ اور تحکم کے تیور کے بیان کے لئے" علا" سے بہتر لفظ نہیں مل سکتا ہے، اس لفظ میں ایک قسم کی صوتی محاکات پائی جاتی ہے، حروف حلقی میں عین کا استعمال اور پھر لام اور الف کی سربلندی اقتدار اور غلبہ کا مفہوم متعین کرتی ہے، قرآن میں ہے" لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا "شریعت اور منہاج مفہوم کے اعتبار سے قریب الفاظ ہیں پھر بھی شرعۃ شروع کے حصہ پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس کا استعمال پہلے کیا گیا اور منہاج کو اس پر عطف کیا گیا، رؤیا اور حلم دونوں کے معنی خواب کے ہیں، قرآن میں سچے خواب کے لئے ہر جگہ رؤیا کا لفظ ہے یعنی اس کا سچ ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسے غیبی رؤیت قرآن میں سچے خواب کے لئے ہر جگہ یہی لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے" یا إبراھیم قد صدقت الرؤیا" اس کے مقابلہ میں خواب ہائے پریشان کے لئے اضغاث واحلام کا لفظ استعمال ہوا ہے، آنس اور ابصر دونوں کے معنی دیکھنے کے ہیں لیکن قرآن میں آنس کا لفظ صرف اسی چیز کے لئے استعمال ہوا ہے، جس کے دیکھنے سے انسیت اور خوشی حاصل ہو جیسے" إنی انست نارا "اور" فإن آنستم منھم رشدا" وغیرہ، خلاصہ یہ کہ قرآن مجید میں کہیں کوئی لفظ بے محل استعمال نہیں ہوا ہے ہر جگہ ایک خاص حسن اور نظم پایا جاتا ہے ہر جگہ ایک گفتگی کا احساس ہوتا ہے ہر موقعہ کے لئے مناسب ترین لفظ کا انتخاب کیا گیا ہے قرآن کی بہت سی سورتوں میں سجع کا انداز ہے اور تلاوت کے وقت محسوس ہوتا ہے کہ فردوس گوش نغمہ ہے جو کانوں کے ذریعہ سے دل میں اتر رہا ہے، یہ سحر سے زیادہ سحر انگیز اور شعر سے زیادہ مسرت بخش اور چاند ستاروں سے زیادہ دلوں کے ظلمت کدہ کے لئے ضیا افروز ہے، لیکن ان باتوں کا ادراک کرنے کے لئے عربی زبان و ادب کا ذوق اور قرآن میں تدبر کا شوق درکار ہے، اس مختصر مضمون میں قرآن کے بے بہا اعجاز بیان و بلاغت کی صرف چند جھلکیاں ہی دکھائی جاسکتی ہیں، اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لئے امید فاضل بہار کریں اور دیدۂ و دل کو حضرت مولانا عبداللہ صاحب ندوی کی کتاب کے لئے فرش راہ انتظار کریں۔

☆☆☆

ہمارا مزاج قوم پرستانہ نہیں، داعیانہ ہو

راقم الحروف ملی مسائل پر کچھ نہ کچھ سوچتے رہنے کا گنہ گار ہے
میں سوچا کرتا ہوں کہ ملت اسلامیہ ہند کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟
کبھی اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ
ملت کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی شناخت کا مسئلہ ہے
مسلم پرسنل لا بورڈ، دینی تعلیمی کونسل اور دیگر موقر تنظیموں
کی تشکیل کے پس پشت عوامل پر کوئی شخص سرسری نگاہ ہی ڈالے
تو وہ بجا طور پر اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ
ہندوستان میں ملت کا ایک بڑا مسئلہ اس کی شناخت کا مسئلہ ہے
چنانچہ راقم السطور کا حال یہ ہے کہ
صبح کا اخبار آنے پر وہ اس میں یہ تلاش کرتا ہے کہ ملت کو کہاں کہاں ذک
پہنچی، کہاں اس کی شناخت سے کھلواڑ کی کوشش ہوئی،
اس کے وقار اور اس کی عزت کو ٹھیس پہنچانے کے لئے حریفوں نے اپنے
ترکش سے کون سا تیر آزمایا۔۔۔۔
میں سوچتا ہوں
کہ کیا میری یہ سوچ اور فکر مندی صحیح ہے؟
میرا خیال ہے کہ یہ سوچ اور فکر مندی غلط تو نہیں ہے
البتہ بات اس سے کچھ آگے کی بھی ہے
ملت کی شناخت کی حد تک کی سوچ اور فکر
بہر حال ایک محدود سوچ اور فکر ہے
اور اپنی سوچ اور فکر کو صرف ملت کی شناخت کی حد تک محدود کر لینا
محسن انسانیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کے لئے زیبا نہیں۔
ملت کے تئیں فکر مندی اور دردمندی بلاشبہ توفیق خداوندی ہے
اور اس پر اللہ رب العزت کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے
مگر یہ تو محض ایک مصرعہ ہوا اس میں "انسانیت کے لئے دردمندی اور فکر مندی"
کے دوسرے مصرعہ کو شامل کرنا بھی ضروری ہے جس کے بغیر شعر پورا نہیں ہو سکتا۔
اور انسانیت کے لئے دردمندی و فکر مندی کا لازمی تقاضہ ہے
کہ داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کا مزاج داعیانہ ہو
داعیانہ مزاج کے بغیر
محض ملت کے تئیں دردمندی و فکر مندی کا مزاج اس لحاظ سے خطرناک بھی
ہو سکتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی بدولت ہمارا مزاج محض ایک قوم
پرستانہ مزاج بن جائے
اور خدانخواستہ اس طرح نادانستہ اور لاشعوری طور پر ہم خود اپنے ہاتھوں
اپنے لئے ایک بت تراش لیں، العیاذ باللہ
اس قسم کے مزاج کو ایک مسجد پر آنچ آنے پر تو رنج ہو (اور یقیناً رنج ہونا چاہئے)
لیکن اگر اس بات پر اسے کوئی صدمہ نہ ہو کہ لاکھوں کروڑوں بندگان خدا
شرک جیسے عظیم گناہ میں ملوث ہیں۔۔ تو یہ بڑے تشویش کی بات ہوگی!
شیطان کے اس فریب سے بچتے رہنے کا راستہ یہ ہے
کہ مسلمان خیر امت اور امت دعوت ہونے کے اپنے منصب و مقام کو کبھی
نہ بھولیں اور ہمہ وقت اس کا استحضار رکھیں
وہ لوگ جو انہیں دنیا کی آگ میں جھونکنا چاہتے ہیں
ان کو آخرت کی آگ سے بچانے کی فکر و تڑپ اور جذبہ و حوصلہ بھی مسلمان
اپنے اندر پیدا کر لیں
تو عجب نہیں کہ اللہ کی رحمت بھی ان کی طرف متوجہ ہو، اور پتھر دل بھی موم ہو جائیں
اس لحاظ سے ملت کا سب سے بڑا مسئلہ "شعور ذات" کا مسئلہ ہے
یہ ملت اپنے آپ کو پہچانے
کہ اس کا مقام و منصب کیا ہے؟
اور وہ اس دنیا میں کس لئے بپا کی گئی ہے؟
وہ امت دعوت ہے اور دعوت کا کام ہی اس کی شناخت ہے
ملت کی شناخت گم کر دینے کی کوششیں اسی لئے بھی کامیاب ہو رہی ہیں کہ
ملت نے اپنی اصل شناخت یعنی دعوت سے ہی منہ موڑ لیا ہے
جبکہ روئے زمین پر ملت کے وجود کا جواز ہی یہ ہے کہ
وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلائے
اور اللہ کی اس پکار کو دنیا کے سامنے دہرائے کہ
وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهٖ (البقرہ:۲۲۱)
"اللہ پکارتا ہے جنت اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے"
اور وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا إِلَى دَارِ السَّلَامِ
"اور اللہ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف پکار رہا ہے"

❁❁❁

Resi : 2268177
Mobile : 9415002535
Shop : 2213736
2500667
سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام
حاجی صفی اللہ جیولرس
ہمارا نیا شوروم
گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ
پروپرائٹر: محمد اسلم
Haji Safiullah
Jewellers
Opp. Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow.-18

Shop: 260890
Resi: 269562
MOHD. IRFAN
PROPRIETOR
NEW KAREEM JEWELLERS
نیو کریم جیولرس
دوکان نمبر ابلد مارکیٹ ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ لکھنؤ

تاریخ تدوین حدیث
محدث جلیل مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ کے قلم سے، تدوین حدیث کی تاریخ کا
بہترین مرقع، حدیث کا ذوق پیدا کرنے والی بہترین کتاب۔
صفحات: ۲۴۲ قیمت: -/60
ملنے کا پتہ: مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مجلس تحقیقات اسلام
ندوۃ العلماء لکھنؤ

Fac 91-512-2462039
2462311
Resi: 2451177
Paradise
LEATHER FINISHERS
Manufacturers & Suppliers Of Finished Leather & Leather Goods
E-Mail:
PLFsajid1@Radiffmail.com
PLFsajid1@ Datainfosys.net
MIG-37, K.D.A. COLONY, JAJMAU KANPUR-208010

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گذارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے
سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر
رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔
ALAUDDIN TEA
Tea Merchants
44, Haji Building, S.V. Patel Road,
Null Bazar, Mumbai 400 003
Tele: Add CUPKETTLE Tel : 3460220, 3468708
Tel. (R) 3095852
۱۲ نمبر اور ۲۱ CTC کی امپورٹڈ چائے استعمال کیجئے